تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۴ر

یہ ایک مختصر ڈراما ہے، جس میں ایک بت تراش کے تیار کئے ہوئے مرد و عورت کے دو مجسموں کے ذریعہ سے تمثیل کے طور پر ان میں جان ڈال کر اس سوال کو حل کیا گیا ہے کہ خالق کائنات تعالیٰ نے صرف اچھے رجحانات اور خیر ہی خیر کو کیوں نہ پیدا کیا، تمثیل اپنے رنگ میں دلچسپ ہی،

تاریخ کی تعلیم، مصنفہ ڈبلیو، ایم رابرٹن، ایم اے پرنسپل کریچین ہائی اسکول کھرڑ، ضلع انبالہ، مترجمہ مسٹر ایس ایس میسی بی اے، ہائی اسکول کھرڑ، ضلع انبالہ، حجم ۵۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، خط باریک قیمت ۳ر مصنف سے طلب کریں،

اس رسالہ میں ابتدائی مدرسوں میں چھوٹے بچوں کو فن تاریخ پڑھانے کے طریقے بتائے گئے ہیں، جس میں چند ابواب میں تاریخ پڑھانے کے مقاصد، معلّم کے اوصاف، پڑھانے کے طریقے اور اچھے سبق کے خصوصیات وغیرہ سمجھائے گئے ہیں، معلّمین کے لئے رسالہ کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے،

بچوں کا تحفہ، از جناب محمد شفیع الدین صاحب نیّر، حجم ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ بہتر، لکھائی چھپائی، اور سر ورق بچوں کے مناسب، قیمت ۸ر مصنف سے موڈرن ہائی اسکول نئی دہلی کے پتہ سے طلب کریں،

یہ بچوں کی دلچسپی کے لئے نظموں کا ایک گلدستہ تیار کیا گیا ہے، زبان آسان، عام فہم اور خیالات سادہ ہیں، نظمیں ایسے عنوانوں اور چیزوں پر لکھی گئی ہیں، جو بچوں کے گرد و پیش اور عموماً علم میں رہتی ہیں، بچے ان نظموں کو دلچسپی اور شوق سے پڑھیں گے،

دیس کی لیلا، از جناب میاں عبدالمجید صاحب بھٹی قیمت ۴ر پتہ ہونہار بک ڈپو، ریلوے روڈ لاہور

یہ بھی بچوں کے لئے گیتوں کا ایک مجموعہ ہندی آمیز زبان میں تیار کیا گیا ہے نظموں کا موضوع حب وطن ہے بڑی عمر کے بچے جو ہندی زبان بھی کچھ سیکھ لیں، وہ اس سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، "ر"

جلد ۵۰ ماہ شوال المکرم سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۴۲ء عدد ۵

مضامین

شذرات

اس ماہ میں یوپی اور بہار کے دو ممتاز شاعروں اور ادیبوں کی وفات کی اطلاع ملی، ان صفحات میں ان مرحوموں کا ذکر اس لئے ہوتا ہے کہ ہماری آیندہ نسلوں کو اپنے پچھلوں کے نام نیک کی خبر رہے، اسلامی تاریخ کا ایک بڑا اہم کارنامہ وفیات یعنی ہزاروں لاکھوں بزرگوں فاضلوں، ادیبوں، اور ممتاز لوگوں کی وفات کی تاریخ کا تعین ہے، تاریخ کی اس صنف پر بہت سی کتابیں مدون ہوئیں کیا عجب ہو کہ شذرات کا یہ حصہ ایک دن اس عہد کے وفیات کے اوراق بنجائیں،

وصل بلگرامی مرحوم ومغفور کے جاننے والوں اور ملنے والوں کو یہ سنکر بڑا قلق ہوگا کہ ۲۸ر رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ کو رات کے وقت وہ ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہو گئے، مرحوم بڑے ملنسار متواضع، پُرمحبت، دوستوں کے فداکار، اور وقت پر ہر ایک کے کام آنے والے تھے، وہ گو ہمیشہ سے دیندار اور پابند وضع لوگوں میں تھے، جوانی میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث گنگوہی سے ملتے تھے، اور اب ادھر دس بارہ برس سے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (متعنا اللہ تعالیٰ بفیوضہ وبرکاتہ) سے ان کی ارادت کا تعلق تھا، اور اب وہ زیادہ تر حضرت مولانا کی خدمت میں تھانہ بھون ہی میں خانقاہِ امدادیہ کے ایک حجرہ میں مقیم رہتے تھے، وہیں اسی حجرہ میں چند روز کے بخار میں اچانک وفات پائی، شیخ نے اپنے مرید کی نماز جنازہ پڑھائی، اور وہیں کے قبرستان میں تدفین ہوئی،

خاکسار سے مرحوم کے تعلقات بہت پرانے تھے، ۱۹۰۶ء میں میری تعلیم ختم ہوئی، اور وہ اس عمر میں تھے کہ عالمگیر کے نام ایک رسالہ نکال رہے تھے، ان سے بلگرام ہی کی مردم خیز زمین پر اسی زمانہ میں ملاقات ہوئی تھی، اس وقت وہ جوان شاعر اور ادیب تھے، اردو فارسی، قدرے عربی اور انگریزی جانتے تھے، پھر ان کو جب وہ ادھیڑ ہو چکے تھے، مولوی سبحان اللہ صاحب مرحوم رئیسِ گورکھ پور کی سرپرستی میں گورکھ پور میں دیکھا، اس کے بعد انھوں نے لکھنؤ پہنچ کر مرقع نام رسالہ جاری کیا جو چند سال جیتا رہا، اب آخر میں وہ زاہد گوشہ نشین ہو کر نظر آئے، اور اسی پر ان کے کارنامۂ حیات کا خاتمہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس خلق ومحبت کے مجسمہ کو اپنی محبت سے نوازے،

بہار میں نئی تعلیم بنگال کے قرب بلکہ ملحقہ صوبہ ہونے کی وجہ سے بہت پہلے پھیلی، وہاں کے مسلمان شرفاء کے جو نونہال ان میں سب سے زیادہ پھلے اور پھولے ان میں سید علی امام، حسن امام اور مظہر الحق وغیرہ کے نام ان کے بعض سیاسی اور قومی کارناموں کی وجہ سے بہت نمایاں ہیں، ان ہی کے معاصرین میں ایک نام مسٹر نصیر بیرسٹر کا ہے، پٹنہ کے قریب شرفاء کا ایک مشہور قصبہ گرہنسہ ہے وہ وہیں کے انصاری خاندان کے چشم وچراغ تھے، خاندان میں عربی وفارسی علوم کا چرچا تھا، ان کے دادا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی یا حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددی کے شاگرد تھے، اور ان نفوسِ قدسیہ کے برکات کا خاصہ اثر اس مغربی تعلیم یافتہ کے ذہن وخیال پر تھا، افسوس کہ ستمبر ۱۹۴۲ء کے آخر میں اس دور کی یہ یادگار شخصیت بھی مٹ گئی،

۱۸۹۵ء میں جب خاکسار پہلی دفعہ دیہات سے نکل کر شہر (پٹنہ) میں آیا تو سب سے پہلے ان ہی کی کوٹھی پر جو مراد پور کی سڑک کے شمالی رخ پر تھی اس تعلق سے قیام ہوا تھا کہ میرے چھوٹے چچا مرحوم اس زمانہ

میں ان ہی کے ساتھ رہتے تھے، عمر میں پہلا اتفاق تھا، اس لئے ان کی ہر چیز مجھے عجیب معلوم ہوئی تھی، بہت گویا، بہت ہنس مکھ، ہر وقت خوش وبشاش، شعر وسخن کے دلدادہ علمی صحبتوں کے شائق، بزرگوں کا ادب، دین کا پاس، اور مذہب کا جوش، کوٹ پتلون اور ہیٹ کے اس پتلے میں عجیب رنگین کیفیت پیدا کر دیتا تھا،

۱۹۰۰ء میں ندوۃ العلماء کا ساتواں سالانہ جلسہ پٹنہ عظیم آباد میں تھا، جو قدیم تعلیم کے ساتھ جدید تعلیم کا بھی مرکز تھا، اجلاس میں علمائے کرام اور مشائخِ عظام کے پہلو بہ پہلو جسٹس مولوی سید شرف الدین مرحوم کی سرکردگی میں، ان نوجوان بیرسٹروں کا جھرمٹ بھی تھا، اور شاید یہ پہلا دن تھا جب مقدس شملے اور ہیٹ یکجا نظر آئے تھے، اسی اثنا میں جوش وحمیت کا یہ پتلا پورے انگریزی ڈریس میں اسٹیج پر آیا، اور وہ دلدوز تقریر کی کہ میری ان آنکھوں نے بڑے بڑے مقدس علماء اور مشائخ کو دھاڑیں مار مار کر روتے دیکھا، مقرر کے جوش کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنا قیمتی کوٹ، گھڑی، انگوٹھی سب نذر کر دی، جن لوگوں نے اس منظر کو دیکھا تھا وہ سماں آج تک نہیں بھولے ہیں،

یا تو میں نے ان کو ان انگریزی کپڑوں اور انگریزی شکل وصورت میں دیکھا یا پھر ابھی دس پندرہ برس ہوئے ریش سپید، مخملی ٹوپی اور اچکن اور کرتے میں دیکھا اور سنا کہ اب یہ عالم ہے کہ تسبیح وسجادہ سے سروکار ہے، مرحوم کی دوسری شادی نیورہ میں ہوئی تھی، چند سال ہوئے کہ وہاں اس سے بھی بڑھکر محوِ استغراق پایا، مجھ سے عزیزانہ برتاؤ تھا، جوانی میں میلاد کا پُرشوق رسالہ لکھا تھا، اور پیری میں شاعری پر ایک اردو مثنوی لکھی جو خاکسار کے مقدمہ کے ساتھ مطبع معارف میں چھپی تھی،

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنی مغفرت سے سرفراز کرے، انکے پوری حالات نقوش سلیمانی کے آخر میں انکی مثنوی کے دیباچہ میں لکھ گئے ہیں،

مقالات

قرآن اور علاجِ خوف[1]

از

ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے پی ایچ ڈی (لندن) بیرسٹرایٹ لا استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

اس مختصر مقالہ میں میں نے ایک خونخوار جذبہ سے نجات کے چند نفسیاتی اصول پر روشنی ڈالی ہے جو اول سے آخر تک قرآن کریم سے ماخوذ ہیں، خوف سے میری مراد ماسوائے اللہ کا خوف ہے، میں خشیۃ اللہ کو کوئی قابلِ علاج چیز نہیں سمجھتا، معاذ اللہ یہ تو عین مقصود ہے، اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ کے اصول کو میں نے اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے اور تفصیلات کو ترک کر دیا ہے

دو روزہ عمر پر ز خوف وخطر است — از غصہ غذائے خلق خونِ جگر است
آسودہ دلی ز بعد مردن ہم نیست — زیرا کہ خطرہ دران طرف بیشتر است (ظہیر فاریابی)

انسان کی دو روزہ زندگی خوف وخطر سے بھری نظر آتی ہے، اسکے قلب پر اس خونخوار جذبہ کا پورا تسلط دکھائی دیتا ہے، جب وہ بستر سے اٹھتا ہے تو لرزاں وترساں اٹھتا ہے اور تمام دن کے غم وغصہ کے بعد جب پھر بستر کی طرف لوٹتا ہے، تو بھی خائف وہراساں ہوتا ہے! وہ ڈرتا کس چیز سے ہے؟ کسی کو تو بیماری کا خوف ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ بیمار ہو جائے اور دنیوی کامیابی کی ساری توقعات مٹی میں مل جائیں، جب کسی عزیز یا دوست کی بیماری کی خبر سن لیتا ہے

---

[1] یہ مقالہ موتمر علوم اسلامیہ جامعہ عثمانیہ میں پڑھا گیا،

تو بیچین و پریشان ہوجاتا ہے، ڈرتا ہے کہ کہین مر نہ جائے! کسی کو خوف ہے کہ وہ ساری دولت کھو کر فقر و فاقہ مین مبتلا نہ ہوجائے،
ضعف و ذلت کا شکار نہ ہوجائے، کسی کو اپنی ملازمت کی طرف سے خطرہ ہے، وہ حالات کو تشفی بخش نہین پاتا، ڈرتا ہے کہ کہین بے جگہ
اس کو بے روزگارون کی صفون مین شریک ہونا نہ پڑے، ٹکڑون کو محتاج نہ ہوجائے، رزق کا دروازہ بند نہ
ہوجائے، کوئی اپنی ذمہ داریون سے گھبرا رہا ہے، یہ ناقابل برداشت نظر آرہی ہین، اور وہ محسوس کر رہا ہے کہ
اس کی قوتین زائل ہو رہی ہین، اس کا دل بیٹھا جا رہا ہے، اور وہ اپنے بلند مقام سے گر رہا ہے، کوئی ہے کہ اپنے
ہم جنسون سے ملنے سے گھبرا رہا ہے، وہ ان سے گفتگو نہین کر سکتا، خوف سے اس کی زبان سوکھی جا رہی ہے، اور پسینون
مین ڈوب رہا ہے! کوئی خوف زدہ ہے لیکن نہین جانتا کہ کس چیز سے خوف زدہ ہے، اس کو اپنا مستقبل تاریک نظر
آرہا ہے، خطرہ کا وہ تعین نہین کر سکتا، لیکن خوف کی لہرین اس کے قلب مین اٹھ رہی ہین، اور وہ بزدلی کی موت
مر رہا ہے، بالغرض خوف کا جذبہ عالمگیر ہے، ہر شخص اس کا شکار ہے، کون ہے جس کو فکر نہین، غم نہین، خوف نہین!
شیخ عماد الدین فضل اللہ نے جو بات غم کے متعلق کہی ہے، وہ خوف کے متعلق بھی صحیح معلوم ہوتی ہے، اور نفسیاتی
طور پر غم نتیجہ ہے خوف کا،

غم راز من و مرا گریز از غم نیست یاران قدیم را شکست از ہم نیست
غم خو ی بمن کرد و من خوے بغم! ہمچون من و غم دو یار در عالم نیست

کیا خوف سے نجات بھی ممکن ہے؟ کیا اس ظالم جذبہ کی مردافگن قوت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، اور اس پر فتح
حاصل کیجا سکتی ہے؟ کیا زندگی کے چند روز طمانیت خاطر اور بردلی کے ساتھ بسر کئے جا سکتے ہین؟ علمائے نفسیات
نے اس کا کیا علاج تجویز کیا ہے، ؟ حکمانے کائنات کی کنہ و حقیقت پر غور کرنے کے بعد کیا اس کو خوفناک اور
بے درد و بے رحم قوتون کا نتیجہ قرار دیا ہے؟ کیا کائنات انسان کے لئے ایک صلیب کے مانند ہے، جس پر
بالآخر اس کو جان دینا ہے، خواہ پامردی اور ہمت کے ساتھ، یا نامردی اور بزدلی کے ساتھ لرزان و ترسان
قرآن کریم خوف سے کس حد تک نجات دیتا ہے، ؟

(وَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (پ ۴ ع ۹)

کے کیا معنی ہین؟ کیا کوئی مخلوق و مرہوب شے حقیقت مین نافع و ضار ہو سکتی ہے، ؟ اگر نہین تو پھر خوف کیون؟
کیا یہ وہم کا نتیجہ نہین، باطل علم کی پیداوار نہین؟ کیا اس سے نجات علم کی تصحیح سے ہو سکتی ہے؟ اختصار کے ساتھ
بعض انھی اعتبارات پر یہان بحث کرنی مقصود ہے،

قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے خوف سے نجات اور ان زنجیرون سے رہائی جن سے خوف نے
ہماری گردنین باندھ رکھی ہین، دو طریقون سے ہو سکتی ہے، ایک طریقہ ذہنی ہے، اور دوسرا خارجی، پہلا طریقہ
علم کی تصحیح پر مشتمل ہے، اور دوسرا علم صحیح کے استعمال پر،

(۱) **علم کی تصحیح** :- خوف سے رستگاری حاصل کرنے کے لئے تمھین سب سے پہلے اپنے مابعد الطبیعاتی مسلمات کا
جائزہ لینا چاہئے، مذہب کی زبان مین یہ "عقائد" کہلاتے ہین، ان کو عقل سے ثابت کرنے کی فلسفہ مین کوشش
کیجاتی ہے، اور مذہب مین ان پر محض "ایمان" لایا جاتا ہے، اور وہ طور عقل سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ خلاف تجربہ اور خلاف
وجدان نہین ہوتے، یہ مذہبی زندگی کے وہبی، جذباتی اور حسی میلانات کی گہرائیون مین اپنی جڑین جمائے ہوئے
ہوتے ہین، تجربہ ان کی تائید کرتا ہے، وجدان ان کو اپنے ذوق کے مطابق پاتا ہے، عقل ان کی تردید
نہین کر سکتی،

ایسا پہلا عقیدہ جس کو مان لینے کے بعد خوف سے قطعًا رہائی مل جاتی ہے، حق تعالیٰ کا رحیم اور
حکیم ہونا ہے، فلسفیانہ الفاظ مین یون سمجھو کہ کائنات تمھاری دشمن نہین دوست ہے، تم روحانی کائنات
مین زندگی بسر کر رہے ہو، روحانی قوانین کی تم پر حکمرانی ہے، یہ قوانین کورانہ نہین، ان کی ایک غایت
اور مقصد ہے، اگر تم ان کی نوعیت کو سمجھ کر ان کے ساتھ توافق پیدا کروگے تو تم ان کو اپنا رفیق کار پاؤگے،
اور نتیجہ طمانیت اور تسکین قلبی ہوگا، ! اگر تم نادانی اور جہل سے ان کی خلاف ورزی کروگے، تو نقصان
تمھارا ہی ہوگا، خوف و غم مین مبتلا ہوگے، حزن و یاس سے نجات نہین ملے گی، اور اس کا باعث خود

تمہارا جہل ہوگا، اور جہل سے پیدا شدہ غلط عمل، یقین و ایمان کی شاہانہ قوت سے قطعی طور پر مان لو کہ دنیا اچھی چیز ہے، کیونکہ اس کا مبدأ خیر ہے، یہ مبدأ حق تعالیٰ ہیں، جو حکیم بھی ہیں اور رحیم بھی! حق تعالیٰ خالق کائنات ہیں، جان کر کائنات کو پیدا کیا ہے، وہ جو کچھ کرتے ہیں، حق ہی بجا ہے، سراسر حکمت سے مملو ہے، باطل کا وہاں کوئی شائبہ نہیں، ماصنع اللہ فھو خیر، ع

زنیکو ہر چہ صادر گشت نیکو است!

جب تمہارا یہ عقیدہ راسخ ہو جائے گا تو جہت غیر تم پر مبرہن ہو جائیگی، خیر کا جلوہ تمہیں ہر طرف نظر آنے لگے گا، کمالات پر تمہاری نظر جائیگی، دل میں اور نظر میں، بصر میں اور بصیرت میں حق جلوہ افروز ہوگا، یعنی تمہاری طبیعت اور تمہاری فطرت بدل جائیگی، وہ عیب جو اور عیب بین نظر باقی نہ رہے گی، وہ ذہنیت باقی نہیں رہے گی، جو ہر جگہ نقص کی تلاش کرتی ہے، اور اس پر اعتراض کرتی ہے، مستقبل کو خوف کی نگاہ سے دیکھتی ہے، اور واقعات کے وقوع کے پہلے ہی اُن پر شر ہونے کا حکم لگاتی ہے، اور وہی بھوتوں سے لرزتی اور کانپتی ہے!

ایمان کی آنکھ سے دیکھو اور یقین کرنے والے قلب کی باتوں پر غور کرو کہ حق تعالیٰ رحیم ہیں کان بالمؤمنین رحیما ان کا قول ہے، وہ مومن پر رحیم ہیں، وہ اس کے دوست ہیں، مددگار ہیں، مولیٰ ہیں نصیر ہیں، واللہ ولی الذین آمنوا (پ ۳ ع ۲) جب حق تعالیٰ مومن کے ولی ہیں، اس پر رحیم ہیں، تو پھر اس کو کس چیز سے خوف ہو سکتا ہے، ؟ حق تعالیٰ کو اپنا ولی جان کر وہ کس چیز سے ڈر سکتا ہے؟ وہ تو حق تعالیٰ کے زیر پرورش ہو جاتا ہے، اور حق تعالیٰ اس کے ساتھ بشان رحمت پیش آتے ہیں، اس کے تمام معاملات کے کفیل ہوتے ہیں، وکیل ہوتے ہیں، اجب یہ ادراک مومن کے قلب میں قوی ہو جاتا ہے، تو اب وہ بیک جست خوف و حزن سے آزاد ہو جاتا ہے، اور لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کا مصداق بن جاتا ہے!

خوف کے وقت حق تعالیٰ کے رحیم و حکیم ہونے پر غور کرو، مضطر قلب کو، پریشان دماغ کو، معطل حواس کو کچھ دیر کے لئے اس نقطہ پر مرکوز کرو، یہی وہ نقطہ ہے جو انوار کا منبع ہے، قوتوں کا مرکز ہے، توانائیوں کا مبدء ہے، اسی پر نظر جما کر تم خوف سے نجات حاصل کر دگے، تمہارا ضعف دور ہوگا، حزن رفع ہوگا، سکون حاصل ہوگا، سرور حاصل ہوگا، طمانیت و تسکین قلبی نصیب ہوگی،

جب حق تعالیٰ حکیم و رحیم ہیں اور وہی جہاندار ہیں، تو ظاہر ہے کہ ع

جہاندار داند جہان داشتن

اب مجھے کسی تجربہ سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے، ع

ہر چہ آن خسرو کند شیرین بود!

ہر واقعہ کی تخلیق اس ہمہ خیر قوت سے ہورہی ہے، جو حکیم مطلق بھی ہے، اور رحیم و کریم مطلق بھی، ؟ اب زندگی کا کوئی واقعہ میرے لئے مضر نہیں ہو سکتا، وہ بحیثیت مجموعی میرے لئے مفید ہے، خیر برتر کے حصول کا ذریعہ ہے، یہ میرا جہل ہے کہ باوجود حق تعالیٰ کو رحیم اور ولی مان کر پھر یہ خیال کرتا ہوں کہ وہ مجھے نقصان پہونچانا چاہتے ہیں، در پے آزار ہیں، اجب تھوڑے سے غور و فکر کے بعد میری سمجھ میں یہ بات آگئی، کہ حق تعالیٰ رحیم ہیں، اور میرے حال کے علیم، تو جمعیت تامہ مجھے نصیب ہوتی ہے، اور خوف بالکل رفع ہو جاتا ہے!

دوسرا اصول جس کے مان لینے کے بعد خوف قطعی طور پر دور ہو جاتا ہے حق تعالیٰ کی معیت کا عقیدہ ہے حق تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں، جہاں کہیں ہم ہوں، وھو معکم اینما کنتم (پ ، ع ۱) جب مجھے اس امر کا تحقق ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ ہمیشہ میرے ساتھ ہیں، مجھ سے بہت قریب ہیں "اقرب" ہیں، میری حفاظت فرما رہے ہیں، ان کی معیت کی وجہ سے میں تمام شر و گزند سے محفوظ ہوں، جہاں بھی ہوں محفوظ ہوں، ان کے حفظ و امان میں ہوں، تو پھر خوف میرے قلب سے بالکل دور ہو جاتا ہے، اور سرور و اطمینان، بلکہ ایک ذوق و مستی پیدا ہو جاتی ہے!

در ہجر تو بودہ اندوہ و آزارم — از وصل تو رفت ہستی و پندارم!

شادی آمد و نصیبِ جانم شد — اکنون جان و تن خویش را براحت دارم

جب بھی خوف کے حالات پیدا ہوں، واقعات خطرناک نظر آئیں، غم کے بادل قلب پر چھا گئیں تو ہمیں اس امر کا احساس کرنا چاہئے، کہ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں، وہ رحیم ہیں، قادرِ مطلق ہیں، ان کی معیت کی وجہ سے مجھے علوے تمکین حاصل ہے "انتم الاعلون واللہ معکم" کا مصداق ہوں، ان کو رکھ کر مجھے کس چیز سے نقصان پہونچ سکتا ہے، ان کی معیت کی وجہ سے میں ہر شے پر غالب ہوں، ہر شے سے بلند ہوں، ان کو رکھ کر مجھے کسی شے کی نہ خواہش ہے، اور نہ اس کے نہ ملنے کا غم، جب مجھے کسی چیز کی خواہش ہی نہ ہو تو پھر شکستِ خواہش کا بھی احتمال نہیں، اور اس کے نتیجۂ غم و خوف سے بھی آزاد ہوں!

لیکن غم و مصیبت و خوف کی حالت میں حق تعالیٰ کی معیت کا احساس اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے، جب ہم راحت اور آسودگی، فراغت و اطمینان کی حالت میں بھی حق تعالیٰ کی یاد و شہود سے غافل نہ رہے ہوں، ان کی یاد سے ذہول نہ رہا ہو، اور کسی عارف کے یہ الفاظ ہمارے پیشِ نظر رہے ہوں:

تشنۂ او میر گر تو زندۂ — خاکِ آن در باش گر تو بندۂ

ذرۂ دردِ خدا در دل ترا — بہتر از ہر دو جہاں حاصل ترا

جب ہمارے دل میں حق تعالیٰ کا درد ہو، محبت ہو، ان کی معبودیت و ربوبیت کا اقرار ہو، ذلت کا اظہار ان ہی کے سامنے ہو، ذل و افتقار کی نسبت ان ہی کے ساتھ وابستہ ہو تو پھر خوف اور پریشانی کے وقت ہمیں ان کی معیت کا شدید احساس ہوتا ہے، ہم محسوس کرتے ہیں، کہ وہ ہمارے ساتھ ہی تو ہیں، مونس ہیں، غمخوار ہیں، نصیر ہیں، وکیل ہیں، اس طرح ہمارے قلب کی حفاظت ہو جاتی ہے! سکینت و طمانیت پیدا ہوتی ہے، اور خارجی حالات میں بھی خوشگوار تغیر پیدا ہو جاتا ہے، اور ہم تمام مصائب سے محفوظ ہو جاتے ہیں، اور حزن سے خوف سے رہائی مل جاتی ہے!

اگر تم خوف سے بالکلیہ رہائی کے خواہاں ہو، اس کی بیخ و بنیاد کو صحن دل سے اکھاڑ کر پھینک دینا چاہتے ہو، "جمعیت حقیقیہ" کے حصول کے خواہشمند ہو، تو خود شناس بنو، عرفان نفس حاصل کرو، اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ، اس عرفان کا آلہ محض عقل نظری نہیں، اس کے لئے اس عقل کی ضرورت ہے جو بقولِ اقبالؔ "ادب خوردۂ دل" ہے، عقلِ نظری (قیاساتِ عقلِ یونانی) تمہیں خودشناسی میں زیادہ مدد نہیں دیسکتی، یہ زیادہ تر اوہام باطل کا نقشہ تمہاری نگاہوں کے سامنے پیش کرتی، اور پھر اسکو بگاڑتی رہتی ہے، یہی اس کا محبوب مشغلہ ہے، یہ تمہیں لذتِ حضور سے محروم رکھتی ہے، کیونکہ خود اسکی تقدیر میں حضور نہیں"!

انجام خرد ہے بے حضوری — ہے فلسفہ زندگی سے دوری!

(اقبال)

تمہیں اس جگہ اقبالؔ کی نصیحت پر عمل کرنا چاہئے، جو "پیر رومؔ" کی ہدایت کے مطابق تم سے کہہ رہے ہیں

عقل بہم رسان کہ ادب خوردۂ دل است

یہ عقل تمہیں اس وقت حاصل ہوگی، جب شیخ بو علی سینا کی تحقیقات سے صرف نظر کرکے "سخن محمدیؐ" سے دلبستگی پیدا کرو:

دل در سخنِ محمدی بند — اے پورِ علی ز بو علی چند

(حکیم خاقانی در تحفۃ العراقین)

اب تمہیں اس عقل کے ذریعہ جو نور وحی کی ہدایت و رہبری میں قدم اٹھا رہی ہو، اپنی ذات کی معرفت حاصل کرنی چاہئے، اس معرفت کے حصول کے بعد تم کو اپنی "عبدیت" کا علم ہو جائے گا، کہ تم ذات و ماہیت کے لحاظ سے معدوم ہو، خارجاً مخلوق ہو، غیر ذاتِ حق ہو، حق تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن ہیں، اول و آخر ہیں، تم کو محیط ہیں، تمہارے ساتھ ہیں، تم سے قریب و اقرب ہیں، تم حق تعالیٰ ہی کے

وجود سے موجود ہو، ان ہی کی حیات سے زندہ ہو، ان ہی کے علم سے جانتے ہو، ان ہی کی قدرت وارادے
سے قدرت وارادہ کا استعمال کرتے ہو، وجود اور تمام صفاتِ وجودیہ تمہارے پاس امانت ہیں، یہ تمہاری
اصالۃً نہیں امانۃً ہیں، تم فقیر ہو اور امین، امانت کا استعمال جب کائنات کے مقابلہ میں کرتے ہو، تو خلیفۃ اللہ
کہلاتے ہو، اور جب امانت کا استعمال حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کرتے ہو، تو ولی اللہ کہلاتے ہو، یہی چار اعتبارات
ہیں عبداللہ کے، فقر، امانت، خلافت، ولایت، عبداللہ کے پاس اللہ ہیں، ان کی ہویت واثیت ہے، صفات
وافعال ہیں، ملک وحکومت ہیں، عبداللہ کا قیام ذات اللہ میں ہوتا ہے، ذات اللہ میں خوف کا
کیا اعتبار ہوسکتا ہے، وہ تو سرور محض ہے، اس لئے عبد بھی اللہ کی جہت سے اپنے اندر ناقابل بیان
سرور محسوس کرتا ہے، طمانیت محض ذوقِ خالص کا مخزن بن جاتا ہے، کیا خوب کہا ہے کسی عارف
تام المعرفت نے ؎

چون بدانستی کہ ظلِ کیستی — فارغی گر مُردی و گر زیستی
قطرۂ نوری سراپا نور باش — بگذر از غم دائماً مسرور باش (رومی)

انسان اپنی اس حقیقی جہت کو فراموش کرکے خوف وحزن میں مبتلا ہوتا ہے، یا پھر خوف وحزن
اس کے قلب پر محیط اس لئے ہیں، کہ وہ سرے سے اپنی حقیقت سے آگاہ ہی نہیں، اس کے ہر درد وغم
ہر خوف وہراس کا علاج خود اس کے ہاتھ میں ہے، اور وہ اس سے جاہل! اس سے زیادہ محرومی
کیا ہوسکتی ہے؟!

یک سبد پُر نان ترا فرقِ سر — تو ہمی جوئی لب نان در بدر!
تا بزانوے میانِ قعرِ آب — وز عطش وز جوع گشتی خراب (رومی)

(۲) علم صحیح کا استعمال: جب تم کو اپنی حقیقت کا عرفان حاصل ہوگیا، جب تم نے یہ جان لیا کہ حق تعالیٰ
مومن کے ساتھ ہیں، اس سے قریب اور اقرب ہیں، اس کے ظاہر و باطن ہیں، جب تم کو یہ یقین ہوگیا

کہ حق تعالیٰ مومن کے ولی ہیں، مولی ونصیر ہیں، اس پر رحیم ہیں، تو اب خوف کے وقت اپنے ایمان کی قوت
سے کام لو جرأت کے ساتھ کہو کہ کائنات کی کوئی چیز تم کو خوف زدہ نہیں کرسکتی، اپنے خوف زدہ نفس کو
مخاطب کرکے کہو:

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ وَیُخَوِّفُوْنَکَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ (پ ۲۴ ع ۱)

کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟ کیا تجھ کو یہ لوگ اُن سے ڈراتے ہیں جو خدا کے ماسوا ہیں؟ (ڈرمت)

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (پ ۴ ع ۹)

یہ جو ہے سو شیطان ہے، کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، سو تم اُن سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرنا، اگر تم مومن ہو،

ہمیں اپنے تحت الشعور نفس کے ساتھ بچوں کا سا برتاؤ کرنا چاہئے، دیکھو بچہ اندھیری رات میں
جاگ پڑتا ہے، اور ڈر کر رونے لگتا ہے، تم اس سے کہتے ہو "ڈرو مت یہاں کوئی چیز ایسی نہیں جس سے
تم کو ڈر ہو" خوف کی چیزیں صرف تمہارے خیال میں ہیں، کمرے میں نہیں، اس طرح خوف کی نفی کرنے کے
بعد تمہیں ان چیزوں کا اثبات کرنا چاہئے، جو سچ ہیں، مثلاً تم کہوگے "میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہارے پاس
ہی میں تو ہوں، کیا مجال کہ کوئی چیز تم کو چھو سکے" اس طرح اطمینان دلانے کے بعد کہ تم پاس ہی ہو، اور
اس کو تمہاری قوت پر یہ یقین ہونے کی وجہ سے کہ تم اس کی حفاظت کرنے کے قابل ہو، بچہ پھر بے فکری
کی نیند سو رہتا ہے!

یہی طریقہ تم کو اپنے تحت شعوری نفس کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے، پہلے خوف کے اسباب کی
نفی کرنی چاہئے، جرأت وہمت کے ساتھ اس کو یقین دلانا چاہئے، کہ ساری دنیا میں خدا کے سوا تمہیں کوئی
ہرگز ڈرا نہیں سکتی، تم جانتے ہو کہ یہ شیخی نہیں، واقعہ ہے حقیقت کے عین مطابق ہے، مومن جس پر حق تعالیٰ

رحیم ہین جس کے ساتھ وہ ہین جس کی نصرت کا وہ اپنے اوپر حق سمجھتے ہین، حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ جو ہر
وہ ستر ماؤن سے زیادہ شفیق اور مہربان ہین، ایسا مومن کائنات مین سوائے حق تعالیٰ کے کس چیز سے
ڈر سکتا ہے، اور ڈر کر مومن رہ کیسے سکتا ہے؟ دیکھو ساری اشیا مخلوق ہین، مربوب ہین، محکوم ہین
مملوک ہین، جب تک خالق وحاکم ومالک رب نہ چاہے، یہ ہمین نقصان کیسے پہونچا سکتی ہین، ؟ حکم اللہ
ہی کا چلتا ہے، الحکم للہ متصرف فی الامور حق تعالیٰ ہی ہین، ان ہی کے قبضۂ قدرت مین تمام جاندارون
کی پیشانی کے بال ہین مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا، ڈرنا ہمین ان ہی کے جلال سے چاہئے، نافع
وہ ہین، اور ضار وہ، معز وہ ہین، اور مذل وہ، اور سارا عالم فقیر اور محتاج، نہ نفع کی قوت رکھتا ہے
نہ ضر کی، اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَلَوْ جَهَدَ الْعِبَادُ اَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَقْضِهِ اللّٰهُ لَكَ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ
وَلَوْ جَهَدَ الْعِبَادُ اَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَقْضِهِ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوْا [1]

"اگر سب بندے مل کر کوشش کرین کہ تجھے اس چیز سے نفع پہنچائین، جو اللہ نے تیرے لئے مقدر نہین کی
تو وہ ایسا کرنے کی قدرت نہ پائین گے، اور اگر سب بندے مل کر تجھے کسی چیز سے ضرر پہنچانے کی کوشش
کرین جو اللہ نے تیرے لئے مقدر نہین کی، تو وہ اس پر قدرت نہ پائین گے"۔

اس صداقت پر پورا یقین رکھ کر اپنے نفس سے کہو کہ تجھے قطعاً کسی چیز سے ڈرنا نہین چاہئے!

اور زندگی کا یہ عجیب قانون ہے کہ جون ہی خوف قلب سے دور ہوا، اب دنیا کی کوئی چیز ہمین گزند
نہین پہنچا سکتی، حضرت دانیالؑ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھین شیرون کے غار مین ڈال دیا گیا لیکن

[1] یہ اس حدیث کا ایک حصہ ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، اور جس کو حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر
جیلانی فتوح الغیب مقالہ ۲ مین پیش فرماتے ہین اور تاکید کرتے ہین کہ ہر مومن کو چاہئے کہ اس حدیث کی اپنے دل سے تکرار
کرتا رہے تاکہ دنیا وآخرت مین تمام آفات سے محفوظ رہے، اور اللہ کی رحمت سے دونون جہان مین عزت پائے"

شیرون نے انھین چھوا تک نہین، اسکی نفسیاتی توجیہ یہی ہو سکتی ہے، کہ حضرت دانیالؑ کا حق تعالیٰ پر اتنا اعتماد
تھا کہ خوف ان کے سینہ مین مطلق نہ تھا، اور اسی وجہ سے شیر انھین چھو نہ سکے، یہ تو ہم سبھی جانتے ہین کہ کتا
جو خوف زدہ شخص پر حملہ کر دیتا ہے، اس شخص کے قریب بھی نہین آتا، جو بالکل بے خوف ہوتا ہے، یہ
جو سنیاسی جنگلون مین جا بیٹھتے ہین، جہان ہر قسم کے موذی اور درندہ جانور بھی موجود ہوتے ہین کیسے
محفوظ رہتے ہین، ؟ ان کی بے خوفی ان کے لئے سب سے بڑی حفاظت کا کام دیتی ہے، ! جو شخص حق تعالیٰ
کو محافظ سمجھتا ہے، وہ بے خوف ہوتا ہے، کامل بے خوفی نتیجہ ہے ایمان راسخ کا!

نفی کے بعد اثبات یعنی نفس کو یہ یقین دلانے کے بعد کہ خوف کی کوئی وجہ نہین، اب ہمین حق تعالیٰ
کی معیت، احاطت، قرب واقربیت کا ادراک کرنا چاہئے، جس طرح کہ چھوٹے بچے کو ہم نے اپنی موجودگی
کا یقین دلایا تھا، اسی طرح نفس کو حق تعالیٰ کے حضور ومعیت کا یقین دلانا ضروری ہے، جب وہ
یہ محسوس کرنے لگتا ہے، کہ اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذات مین ہے، وہ حق تعالیٰ کے نور مین منکشف ہے
اس کے داہنے بائین اوپر نیچے آگے پیچھے حق تعالیٰ کا نور ہے، وہ نور کے قلعہ مین محصون ہے، محفوظ ہے،
تو پھر خوف کا سایہ اس کے قلب سے اٹھ جاتا ہے، (ظلمت نور کی موجودگی مین کیسے ٹھہر سکتی ہے؟)
سرور وطمانیتِ حقیقی کا نفوذ اس کی رگ وپے مین محسوس ہونے لگتا ہے، وہ قطرۂ نور بن جاتا ہے، سراپا نور ہو جاتا
ہے اور مسرتِ دائمی سے ہمکنار ہو جاتا ہے!

اس مقصود کے حصول کے لئے تمھین بعض ازلی وابدی صداقتون کا دہرانا بڑی مدد دے گا،
جب خوف وہراس کی لہرین تمھارے قلب مین قیامت خیزی کر رہی ہون، اور وہ بیٹھا جا رہا ہو اور
تمھاری نظر مین دنیا تاریک ہو رہی ہو، تو تمھین بیٹھ جانا چاہئے، اور آہستہ آہستہ لیکن استقلال وثابت
قدمی کے ساتھ معیتِ حق کا ادراک کرتے ہوئے ان صداقت بھرے الفاظ کی تکرار کرنی چاہئے:

حَسْبِیَ اللّٰهُ نِعْمَ الْوَكِيْلُ وَنِعْمَ الْمَوْلٰی — مجھے اللہ کافی ہے، اور وہ کیا خوب کارساز ہے!

وَنِعْمَ النَّصِیْرُ — کیا خوب مولیٰ ہے، اور کیا خوب مددگار ہے۔

ان کی تکرار سے ہماری بصیرت کی آنکھیں کھلتی ہین، ہمین حق تعالیٰ کی کفایت کا یقین ہوتا ہے، اور اسی یقین کی وجہ سے ہمین خوف سے نجات ملتی ہے، آزادی نصیب ہوتی ہے،

جامع ترمذی مین ہے کہ جب حضور انور صلعم کو کوئی مشکل پیش آتی، فکر کا بار قلب انور پر ہوتا، تو حق تعالیٰ سے مخاطب ہو کر فرماتے،

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ

درد بھرے دل سے "الغیاث" کی یہ پکار نکلی، کہ حی القیوم کی رحمت نے قلب کو سنبھالا دیا، اور اسکی حفاظت کے سامان فراہم کر دیئے، !

یاد رکھو کہ خوف طاری ہوتا ہے خوف پیدا کرنے والے خیال کو قبول کر لینے کی وجہ سے اس خیال کا مقابلہ ذہن کی اس سطح پر نہ کرنا ممکن ہے جس سطح پر خوف کی موجین اٹھ رہی ہین، کوشش اس بات کی کرنی چاہئے کہ قلب اس سطح سے بلند ہو جائے، اور بالاتر سطح پر قدم جمائے، دیکھو سمندر کا طوفان اسی وقت فنا کا باعث ہوتا ہے، جب ہم اس کی تباہ کن موجون مین گھر جاتے ہین، لیکن اگر ہم کسی بلند پہاڑی پر چڑھ جائین، تو پھر ان بلاخیز موجون کے شر و شور سے ہمین نجات مل جاتی ہے، کیونکہ اب ہم ان کے پنجے سے باہر ہین! بالکل اسی طرح جب ہم خوف کی حالت مین حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہین تو ہمارا قلب خوف کی سطح سے بلند ہو جاتا ہے، اور اس مقام پر پہونچ جاتا ہے، جہان سکون ہی سکون ہے، شانتی ہی شانتی، سکھ ہی سکھ، !

یاد رکھو قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے ہمارے سارے دردون کی دوا حق تعالیٰ ہین، خوف و حزن کا علاج حق تعالیٰ کی محبت ہے، غیر اللہ سے بیزاری ہے، درد و الم خوف و ہراس کے وقت اپنے رُخ کو حق تعالیٰ کی طرف اخلاص کے ساتھ پھیر دو اور عجز کے ساتھ ان کے قدمون پر پڑ جاؤ،

اور پھر تمہارا کام بن نہ جائے تو شکایت کرنا،

در حضرت ما دوستی یکدلہ کن
ہر چیز کہ غیر ماست آن زایلہ کن
یک صبح باخلاص بیا بر در من، !
گر کار تو برنیاید آنگہ گلہ کن، !

(ابوسعید مہنہ)

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ

از

جناب عبدالرزاق صاحب قریشی

(۲)

شہادت جب مرزا صاحب کا سن ۸۰ سے تجاوز کر گیا، تو اکثر ذکرِ رحلت اور دعائے خیرِ خاتمہ فرمایا کرتے تھے،[۱] اور وظائف و عبادات میں بھی اضافہ ہو گیا، اکثر عزیزوں اور دوستوں کو خط میں بھی لکھتے، چنانچہ ملا عبدالرزاق کو لکھتے ہیں:

"وقت رحلت نزدیک رسیدہ، عمر از ہشتاد تجاوز نمودہ و توقع ملاقات نماندہ کہ مارا طاقتِ سیر و سفر نماندہ،" (مکتوب پنجاہ و یکم)

صاحبزادہ مرید حسین کو لکھتے ہیں:

"ملاقاتہا موقوف بقدر است و عمر آخر، اگر در زندگی میسر نہ شد، انشاء اللہ تعالیٰ بشرط ایمان در بہشت برخوردہائے خاطر خواہ خواہم کرد" (مکتوب سی و ہشتم)

میر محمد مبین کے نام لکھتے ہیں، کہ

"از خبر جانگداز میر سلمان صاحب چہ نویسم کہ بر من گذشت، بیت،

یار رفت و ما چو نقشِ پائے بخاک افتادہ ایم سایہ می گردید کاش این نارسا افتادگی

الحمد للہ ما ہم بر سر راہیم .... بہر حال ہمہ مصیبتہا میگذرد و ما ہم خواہیم گذشت نفسے کہ در یادِ خدا گذرد غنیمت است"۔ (مکتوب پنجاہ و پنجم)

ایک اور مکتوب میں یوں رقمطراز ہیں:

"والد بزرگوار شما کہ جامع ہزاران مناقب بودند، از انتقالِ خود ازین عالم داغے بیاد گار گذاشتند .... ما و ایشان بعلاقۂ ہم عمری در وقتِ قدوم باین خاکدان بتقدیم و تاخیر چند قدم ہمسفر بودیم، حالا وقت رجوع بوطنِ اصلیت نیز بفاصلۂ چند نفس ہم قافلہ ایم

امروز گر از رفتہ عزیزان خبرے نیست فرداست درین بزم ز ما ہم اثرے نیست"

(مکتوب پنجاہ و ششم)

صاحبِ معمولاتِ مظہریہ کا بیان ہے کہ مرزا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے، کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ لوگ موت سے کیوں ڈرتے ہیں، حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "روح را مجرد از انقطاعِ قالب شرف التقاء از خدا و رسول میسر شود"۔

مرزا صاحب کو ان ارواحِ طیبات سے ملنے کا بہت شوق تھا،[۲] حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت امام حسن، حضرت جنید بغدادی، حضرت خواجہ بہاء الدین محمد نقشبندی اور حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہم،

صاحبِ معمولات لکھتے ہیں، کہ مرزا صاحب کو غایت درجہ اشتیاق تھا، کہ ان کو شرفِ شہادت حاصل ہو، لیکن پھر بڑی حسرت سے فرماتے کہ ایامِ جوانی میں جب شہادت حاصل کرنے کا موقع تھا، تو میں حاصل ہی نہ کر سکا، اب بڑھاپے میں یہ عزت کہاں نصیب ہو سکتی ہے، مگر پھر خود ہی فرماتے کہ خدا سے مایوس نہ ہونا چاہئے، چنانچہ زمانہ نے دیکھ لیا کہ خدا نے ان کو مایوس نہیں کیا،

---

[۱] معمولاتِ مظہریہ صفحہ ۱۳۶، [۲] ایضاً صفحہ ۱۳۸

محرم کا مہینہ تھا مرزا صاحب اپنے مکان پر چند مریدون کے ساتھ بیٹھے تھے، کہ وہان سے ایک تعزیہ نکلا، مرزا صاحب نے اپنے مریدون کو مخاطب کر کے کہا، کہ یہ کیا بیہودہ حرکت ہے، بارہ سو برس جس مقدمہ کو ہو چکے ہون ہر سال اسے تازہ کرنا کیا بدعت ہی، اور لکڑیون کو سلام و تسلیم کرنا عقل کی خفت ہے، یہ گفت گو بجنسہٖ وہ لوگ جو کہ علم اور شدون کے ساتھ تھے، انھون نے سنی اور تعصب کے ساتھ امام باڑون مین اور مجلسون مین دو تین شب اس کی گفتگو رہی[1]،

غرض، محرم الحرام ۱۱۹۵ھ شب چہارشنبہ کا ذکر ہے، کہ تھوڑی رات گذری تھی کہ کچھ لوگ مکان پر آئے، اور دروازہ پر دستک دی، خادم نے جا کر عرض کیا، کہ کچھ لوگ زیارت کیلئے آئے ہین، مرزا صاحب یہ سنکر مسکرائے، اور فرمایا کہ بلالو، ان مین سے تین آدمی اندر آئے، ان مین ایک ایرانی نژاد مغل تھا، مرزا صاحب اپنی خواب گاہ سے نکلکر آئے، اور ان لوگون کے پاس کھڑے ہوگئے، مغل نے پوچھا "آپ ہی مرزا جانجانان ہین؟" انھون نے جواب دیا "ہان" اور اس کے دونون ساتھیون نے بھی تائید کی، اس پر اس مغل نے مرزا صاحب پر طپنچہ کا وار کیا، اور تینون فرار ہوگئے، گولی بائین جانب دل کے پاس لگی[2]، مرزا صاحب نے باوجودیکہ "ایسا زخم کاری کھایا لیکن استقلالِ طبیعت سے پھر اپنے تئین کوٹھے کے اوپر پہونچایا[3]"

جس طرح مرزا صاحب کی تمنا تھی، کہ انھین شرفِ شہادت نصیب ہو، اسی طرح اب زخم لگنے کے بعد دل مین یہ آرزو پیدا ہوئی کہ جس طرح ان کے جدِ بزرگوار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زخم لگنے کے تیسرے دن وفات پائی تھی، ان کی وفات بھی تین دن بعد ہو[4]، اور خدا نے ان کی یہ خواہش بھی پوری کر دی،

مرزا صاحب عالم اضطراب و بے قراری مین لوٹتے تھے، اور اپنے ہی یہ اشعار پڑھتے تھے:

[1] گلشن ہند ص ۲۲۱ [2] مقامات مظہری ص ۱۰۱ [3] گلشن ہند ص ۲۲۱ [4] معمولات مظہریہ ص ۱۴۰

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن — خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

سیلِ خون از سینۂ گرم روان کرد عشق — نازم اعجازش کہ طوفان از تنور آوردہ است

زخمِ دل مظہر مبادا بہ شود آگاہ باش — کاین جراحت یادگارِ ناوکِ مژگانِ اوست

جاے رحمت لے بجوم آہ و ای سیلابِ اشک — یادگار از من ہمین مشتِ غبارے ماندہ است

شگافِ دانہا بینگ نشانِ سجدہ می باشد — دلِ مجروح میدانم کہ راہی با خدا دارد

مصحفی نے اس شعر کا بھی اضافہ کیا ہے،

چہ خوش بر روے دلِ تنگِ مادرے وا کرد — خدا دراز کند عمرِ زخمِ کاریِ ما

کہتے ہین کہ بادشاہ (شاہ عالم) نے مرزا صاحب کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم نے مفسدون کی تلاش کروائی لیکن کچھ پتہ نہین چلتا، آپ کچھ سراغ بتا ہین تاکہ ان کو تلاش کر کے قرار واقعی سزا دیجائے، مرزا صاحب نے جواب مین کہلا بھیجا کہ فقرار تو شہید راہِ خدا ہین، مرے ہوؤن کو مارنے کا قصاص کیا، اور اگر اتفاق سے ملزم ہاتھ آجائین، تو انھین میرے پاس بھیج دیا جائے تاکہ دستورِ طریقت کے مطابق ان سے بدلہ لیا جائے[1] (یعنی ان کو معاف کر دیا جائے)

اسی طرح ذوالفقار الدولہ نواب نجف خان نے معالجہ کے لئے جراحانِ فرنگ (ڈاکٹر؟) کو خدمتِ اقدس مین بھیجا، مرزا صاحب نے کہلا بھیجا، کہ اگر زندگی باقی ہے، تو مسلمان جراحون کے ہاتھ سے شفا ہو جائیگی، اور اگر وقت پورا ہو چکا ہے، تو ان کافرون کا احسان مرتے وقت کیون اٹھاؤن[2]

غرض زخم لگنے کے تیسرے روز، ۱۰ محرم الحرام ۱۱۹۵ھ جمعہ کے دن، شام کے وقت، اس پیکر اخلاق و گنجینۂ صفات نے اس دنیاے فانی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا، اور حضرت بی بی صاحبہ کی حویلی مین جو متصل چتلی گور ہے، دفن ہوئے، لوح مزار پر خود مرزا صاحب ہی کا یہ شعر کندہ ہی

[1] معمولات مظہریہ ص ۱۴۰ [2] ایضاً ص ۱۴۱

بلوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے ... کہ این مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

سال وفات بعض تذکرہ نویسون نے مرزا صاحب کا سالِ وفات ۱۱۹۴ھ اور بعضون نے ۱۱۹۶ھ لکھا ہی، مرزا صاحب نے ۱۱۹۵ھ کے بالکل شروع مین (یعنی نئے سال کے صرف دس دن گذرنے پائے تھے کہ) وفات پائی، اس لئے ۱۱۹۴ھ تو قرینِ قیاس ہو سکتا ہے لیکن ۱۱۹۶ھ تو بالکل ہی غلط ہے، ۱۱۹۴ھ تک کے تمام تذکرون مین مرزا صاحب کا ذکر بحیثیت ہمعصر شاعر آیا ہو، یہ تذکرے چونکہ ان کے ہمعصرون کے لکھے ہوئے ہین، اس لئے بہ نسبت بعد کے تذکرہ نگارون کے زیادہ قابلِ اعتبار اور مستند مانے جائین گے، اس کے علاوہ مرزا صاحب کی شہادت پر ان کے متعدد ہمعصرون، شاگردون اور مریدون نے تاریخین کہی تھین، ان تمام تاریخون سے ۱۱۹۴ھ نکلتا ہے یا ۱۱۹۵ھ مثال کے طور پر ہم دو ایک مشہور تاریخین نقل کرتے ہین،

تمام تاریخون مین قمر الدین منت کی تاریخ سب سے مشہور اور پسندیدہ ہے، اس تاریخ کا مادہ خاص الفاظ حدیث ہین،

(۱) ہست حدیثے از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ... عاش حمیداً مات شہیدا سال وفاتِ مرزا مظہر

منظر کا ہوا قاتل جو اک مرتدِ شوم ... اور ان کی ہوئی خبر شہادت کی عموم

(۲) تاریخ وفات ان کی کہی بادلِ درد ... سودا نے کہ "ہائے جانجانان مظلوم"، (سودا)

(۳) قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرزا صاحب کے ارشد مریدین کی حیثیت رکھتے ہین، انھون نے بھی دو تاریخین کہی ہین، ان مین سے ایک ہم یہان نقل کرتے ہین، اس کا مادہ وہی الفاظِ حدیث ہین جو منت نے اپنی تاریخ مین استعمال کئے ہین،

آن قبلۂ اربابِ تقی عاش حمیداً ... وان قدوۂ اصحابِ رضا مات شہیداً

مجموعۂ سرد وصفت سالِ وفاتش ... مظہر رضی اللہ کان سعیداً

عاش حمیداً مات شہیداً

(۴) "تاریخ وفات از مصحفی"،

چو مجروح شد مظہرِ بیکس و کو ... .

شبِ ہفتم ماہِ عاشور بود آن ... کہ از خون شدش سرزمین کربلائی

دران زنگ ہم میچکید از تنِ او ... ز ہر قطرۂ خونِ دل میرزائی

کسے از سلف ہم نہ بگذشتہ باشد ... باین بے دماغی باین کبریائی

غرض در شبِ قتل شاہِ شہیدان ... کہ جست از قفس مرغِ روحش رہائی

مریدانش در حلقۂ غم نشستند ... ز پیران بر آمد خروشِ جدائی

بہ رگش چنین موکشا وند حوران ... شد از دیدۂ قدسیان روشنائی

چو بشنید این واقعہ مصحفی ہم ... غمے خورد با وصف دیر آشنائی

فرو رفت در فکرِ تاریخ سالش ... کہ تا سامعان را کند غم زدائی

پس از ساعتے سر ز جیب تامل

بر آوردہ گفت "آہ مظہر کجائی"،

مرزا صاحب کا قاتل تمام تذکرے متفق اللفظ ہین کہ مرزا صاحب کو ایک شیعہ نے شہید کیا، لیکن مولانا محمد حسین آزاد کی رائے اس معاملہ مین مختلف ہے، وہ فرماتے ہین:

"قتل کا سبب دلی کے خاص و عام مین مشہور تھا کہ بموجب رسم کے ساتوین کو علم اٹھے تھے، یہ (مرزا صاحب) سرِ راہ اپنے بالاخانہ پر خاص خاص مریدون کو لئے بیٹھے تھے، جیسا کہ عوام جہلا کی عادت ہے شاید طرفین سے کچھ طعن و تعریض ہوئے ہون، وہ کسی جاہل کو ناگوار ہوئے، ان مین کوئی مغل فولاد خان نام اخت، جاہل تھا، اس نے یہ حرکت کی، لیکن حکیم قدرت اللہ قاسم اپنے تذکرہ

بین فرماتے ہین کہ مرزا صاحب اپنے کلام مین اکثر اشعار حضرت علی کی مدح مین کہا کرتے تھے، اس پر بگڑکر کسی سُنّی نے یہ حرکت کی۔[1]

اس کے بعد مولانا آزاد حاشیہ مین لکھتے ہین :-

"عجب مشکل ہے، حکیم صاحب بھی ایک خوش اعتقاد سنت جماعت تھے، وہ کہتے ہین کہ سُنّی نے مارا، لوگ کہتے ہین شیعہ نے مارا"[2]

مولانا آزاد کا تبحر علمی اور ان کی فارسی دانی مسلم ہے، لیکن یہان مولانا کو حکیم قدرت اللہ کی عبارت کے سمجھنے مین یقیناً غلط فہمی ہوئی، حکیم صاحب کی اصل عبارت یہ ہے:

از انجا کہ مشرب عالی و مذہب اہل حق، حق بوے ارزانی داشتہ بود، ظالمے ناحق شناس، در ایام متبرکۂ عاشورہ بہ تعصب مذہب بے حقیقت کار نابردہ کہ وے غریق حب جناب ولایت مآب و حریق عشق حضرت امامت انتساب مرتضوی بود سلام اللہ علیہ و کرم اللہ وجہہ، چنانچہ بعضے اشعار آبدارش خاصۂ این بیت،

بکرد مظہر با طاعتے ودفت بخاک — نجات خود بتولائے بوتراب گذاشت

بربے گناہیش گواہی دید، بے گناہ شہید ساختہ بحضور سراپا سرور شہداے کربلاے معلیٰ علیہم السلام والرضوان رسانید"[3]

مندرجہ بالا عبارت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی نے یہ معلوم کئے بغیر کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت مین غرق ہین، ان کو شہید کر دیا، یہ تو کہین نہین ہے، کہ چونکہ وہ حضرت علیؑ کی مدح مین اشعار کہا کرتے تھے، اسلئے کسی سُنّی نے مارا،

دراصل مولانا کو یہان کسی قدر غلط فہمی ہوئی، ورنہ تمام تذکرے خواہ وہ مرزا صاحب کے مریدون

[1] آب حیات ص ۱۴۴ (طبع دوازدہم) [2] آب حیات فٹ نوٹ ص ۱۴۴ [3] مجموعہ نغز جلد دوم،

نے لکھے ہون یا غیرون نے، سنیون نے لکھے ہون یا شیعون نے، بلا استثنا اس بات پر متفق ہین کہ مرزا صاحب کا قاتل ایک شیعہ تھا،

مولانا نعیم اللہ بہرائچی، مرزا صاحب کے ایک مرید لکھتے ہین کہ، محرم الحرام کو چند شیعون نے سینۂ مبارک پر گولی چلائی،[1]

قدرت اللہ خان قاسم کا بیان آپ پڑھ چکے ہین، انکی بھی یہی شہادت ہے، قدرت اللہ قاسم مرزا صاحب کے ہمعصر تھے، اسلئے ان کا بیان عینی شاہد کے بیان کی وقعت رکھتا ہے،

مصحفی بھی مرزا صاحب کے زمانہ مین موجود تھے، اس لئے ان کا بیان بھی عینی شاہد کا بیان سمجھنا چاہیے، وہ لکھتے ہین :-

"در عہد شاہ عالم بادشاہ کہ بسبب بودن امیر الامراء ذو الفقار الدولہ بہادر در دہلی علوی اہل تشیع بیشتر بود و این بزرگ مقتداے، متعصبان اہل سنت و جماعت گفتہ می شد، شخصے از متعصبان اہل تشیع شب ہفتم محرم الحرام یک ہزار و صد و نود و پنج او را بگولہ طپانچہ مجروح ساخت"[2]

سمجھ مین نہین آتا کہ "مقتداے متعصبان اہل سنت و جماعت" کو کوئی سُنّی کس طرح قتل کر سکتا ہے؟

صاحب سفینہ ہندی (بھگوانداس) بھی مرزا صاحب کے عہد مین موجود تھے، اور ان کی خدمت مین حاضر ہونے کا شرف ان کو حاصل تھا، ان کا بیان ہے کہ

"ہرچند کہ (مرزا صاحب) می گفت کہ ما را با مذہب کارے نیست کہ ما محمدیم اما در مذہب سُنّت و جماعت غلو داشت"[3]

کیا مذہب سُنّت و جماعت مین غلو رکھنے والے بزرگ کا قاتل کوئی سُنّی ہو سکتا ہے؟

اب اس کے بعد دو شیعہ حضرات کا بیان بھی سُن لینا چاہیے،

[1] معمولات مظہریہ ص ۱۴۰ [2] عقد ثریا،

علی ابراہیم تذکرۂ گلزار ابراہیم میں لکھتے ہیں :

"گویند بسبب تعصب مذہب منع تعزیۂ سید الشہداء علیہ السلام می نمود، بدین حمیت زدست یکے از ساکنان دہلی سنہ یک ہزار و یک صد و نود و چہار ہجری کہ عمرش قریب صد بود مقتول شد"

علی لطف صاحب گلشن ہند کا بیان ہے :-

کہتے ہیں کہ ہفتم روز عاشورہ کو لب بام پر اپنے گھر میں سر راہ بیٹھے تھے، اور کوئی سردار روہیلوں کا بھی آیا تھا واسطے ان کی ملاقات کے، کہ ناگاہ گذر شدون کا ان کے زیر بام سے ہوا، اس روہیلے نے کھڑے ہو کر سینہ زنی بھی کی، اور موافق سلام سے ہوا اور میرزائے مذکور جس طرح بیٹھے تھے، اسی طرح بیٹھے رہے، بلکہ متبسم ہو کر فرمانے لگے، کہ بارہ سو برس جس مقدمہ کو ہو چکے ہوں ہر سال اسے تازہ کرنا کیا بدعت ہے، اور لکڑیوں کو سلام وتسلیم کرنا نہایت عقل کی خفت ہے، یہ گفتگو بجنسہ وہ لوگ جو کہ علم اور شدون کے ساتھ تھے، انھوں نے سُنی اور تعصب کی مرزائے مذکور کے امام باڑوں میں اور محفلوں میں دو تین شب گفتگو رہی، آخر شب شہادت کو کہ شب دہم عاشورہ سے ہے، کوئی شخص ان کے دروازہ پر آیا، اور ان کو باہر بلوایا جب باہر آئے تو بے گفتگو ایک چوٹ طپنچے کی نذر کی، اور کام ان کا پورا کرکے راہ اپنے گھر کی لی، سن بھی ان کا قریب سو برس کے تھا، ایسا زخم کاری کھایا، لیکن استقلال طبیعت سے پھر اپنے تئیں کوٹھے کے اوپر پہونچایا، ۱۱۹۴ھ تھے، کہ اس روشن ساز مسائل صدیقی نے اور اس مصقلہ پرداز احکام فاروقی نے اس آئینۂ زنگ آلود دنیا سے منہ پھیر لیا، اور سفر خلفائے راشدین کے منازل طریقت پر کیا"۔

شہادت کی بالکل یہی وجہ کریم الدین نے بھی اپنے تذکرہ شعراء میں میر عبد الحئی تاباں کی زبانی لکھی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ روایت میر عبد الحئی تاباں کی زبانی کس طرح بیان کیجا سکتی ہے،

اس لئے کہ تاباں نے تو مرزا صاحب کی زندگی ہی میں وفات پائی، ان کا سال وفات بقول مولوی عبد الحق صاحب ۱۱۶۱ھ اور ۱۱۶۵ھ کے درمیان ہے[۱]

مرزا صاحب کی شہادت ایک سیاسی واقعہ ہے

مرزا صاحب کی شہادت دراصل ایک سیاسی حیثیت رکھتی ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر ایران بھاگا، اور پھر جب کچھ عرصہ بعد شاہ ایران کی مدد سے اُس نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کی تو اس ملک میں ایرانیوں کی آمد اور آمد کے ساتھ اقتدار بڑھنے لگا، یہانتک کہ عہد جہانگیری میں تو تقریباً تمام بڑے بڑے عہدوں پر یہی فائز تھے، ایرانیوں کے ہندوستان میں پھیل جانے کی وجہ سے ہندوستان میں بھی وہ مسئلہ پیدا ہوا، جس سے ہر اسلامی ملک میں فتنوں کی ابتدا ہوئی، یعنی سنیت وشیعیت کا جھگڑا، عہد عالمگیر تک اس فتنے کے زہریلے اثرات سے ہندوستان محفوظ رہا، لیکن اورنگزیب کی وفات کے بعد چونکہ حکومت کی دیواریں کھوکھلی ہوگئی تھیں اس فتنے کے زہریلے اثرات ملک میں پھیلنے لگے، بہادر شاہ اول کی وفات کے بعد تو شیعوں کا اقتدار یہاں تک بڑھا، کہ دو بھائی سید عبد اللہ اور سید حسین سلطنت کے مالک کل بن گئے، اور "بادشاہ گر" کے خطاب سے مشہور ہوئے، فرخ سیر کے عہد میں جب ان کا زور اور ظلم وتعدی حد سے بڑھ گیا تو اس نے اُن پر نکتہ چینی شروع کردی، اور ان کے اقتدار کا خاتمہ کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی اقدام کرتا، ان بھائیوں نے اس کا کام تمام کردیا، مرزا بیدل نے اس واقعۂ دلفگار کی نہایت عمدہ تاریخ کہی تھی،

دیدی کہ چہ با شاہ گرامی کردند — صد جور و جفا از رہ خامی کردند

تاریخ چو از خرد جستم فرمود — سادات بوے نمکحرامی کردند

بالآخر محمد شاہ کے زمانہ میں ان بھائیوں کا قلع قمع ہوگیا، لیکن افسوس کہ شاہ عالم کے زمانہ میں یہ فتنہ پھر جاگ اٹھا، شاہ عالم نے مسند وزارت پر نجف خان کو فائز کیا، نجف خان

[۱] مقدمہ دیوان تاباں ص د

کا دلی آنا تھا، کہ پھر شیعیت نے زور پکڑا، اور سینوں پر ہر قسم کے مظالم ڈھائے جانے لگے چنانچہ

مرزا صاحب ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"حال مردم این شہر از روزیکہ نجف خان آمدہ است از شاہ تا گدا تباہ است و ذکر خلاص

مجد الدولہ بر زبان خاص و عام است، خدائے تعالیٰ زود بظہور آرد" [۱]

یہ وہی نجف خان ہے جس نے شاہ عبد العزیز اور شاہ رفیع الدین کو اپنے قلمرو سے نکال دیا

تھا، اور یہ دونوں بزرگ مع زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے،

یہی نجف خان ہے جس نے روہیلوں کی طاقت کو پامال کیا، اور ضابطہ خان کو مرہٹوں کی مدد

سے شکست دی اور اسی شکست کا انتقام ضابطہ خان کے بیٹے غلام قادر روہیلہ نے شاہ عالم سے

جس بری طرح لیا، اس سے تاریخ کا کوئی طالب علم ناواقف نہ ہوگا،

نجف خان ایک کٹر شیعہ تھا اور مرزا صاحب بقول مصحفی "مقتدائے متعصبان اہل سنت و

جماعت" اور جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں، مرزا صاحب کے مریدوں میں روہیلوں کی اکثریت تھی، بزرگ دین

کے ساتھ جڑ کو ختم کر دینا نجف خان کے نقطۂ نگاہ سے یقیناً ضروری اور مفید تھا، بہرحال یہی نجف

خان ہے، کہ "رفقائے او مرتکب این امر (قتل مرزا صاحب) شدہ بودند و او در اجرائے حد

تغافل کرد" [۲]

خانگی زندگی اور متعلقین مرزا صاحب کی خانگی زندگی اور ان کے متعلقین کے حالات بہت کم

معلوم ہیں، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ہمیشہ کرایہ کے مکان میں رہے، کھانا وقت کے وقت

بازار سے منگوا لیا کرتے تھے، لباس کی سادگی یقینی ہے، اس لئے کہ وہ ہمیشہ صرف ایک ہی جوڑا

کپڑا رکھتے تھے،

---

[۱] کلمات طیبات، مکتوب سی و چہارم [۲] مقامات مظہری

متعلقین کے بارے میں بھی بہت کم معلومات حاصل ہیں، خود مرزا صاحب نے تین مکتوبات میں اس

طرف اشارہ کیا ہے، لیکن وہ محض اشارہ ہی اشارہ ہے، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"فقیر مع متعلقان بعافیت است و بدعائے دوستان مشغول" (مکتوب پنجاہ و ششم)

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

"... بعد دو ماہ بدہلی میروم کہ متعلقان در آنجا ہستند" (مکتوب پنجاہ و چہارم)

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:-

"........ آدم برائے طلب متعلقان فرستادم، آنہا عذر مسموع نوشتند، ناچار بمراجعت

دہلی اتفاق افتاد" (مکتوب چہلم)

مرزا جان کے حالات کے سلسلہ میں ہم لکھ آئے ہیں، کہ جب انھوں نے فقیری لے لی تو

سارا اثاثہ راہ خدا میں تقسیم کر دیا، صرف پچیس ہزار روپے لڑکی کی شادی کے اخراجات کے لئے

رکھ چھوڑے تھے، (اور بعد میں اس کو ایک دوست کی نذر کر دیا،) اس سے پتہ چلتا ہے، کہ مرزا

صاحب کی ایک بہن تھیں، اس کے علاوہ معمولات مظہریہ میں ہم کو مندرجہ ذیل بیان ملتا ہے،:

"بوقت طفولیت فقیر و ہمشیرۂ فقیر از افراط محبت ہم عہد و ہم قسم بودیم کہ اول ہر کہ ازما

ازین دار فنا درگذرد، دیگرے نیز بموافقت قدم زند، یعنی خود را ہلاک سازد، چون

ہمشیرۂ فقیر را وقت آخر رسید یکبار بسوی من نگریست و بیاد آن وعدہ و بر تنہائی سفر آخرت

بگریست، گفتم کہ با یفائے وعدۂ خود ثابت ام، از یک ضرب کتار کار تمام می شود لیکن درین

صورت باہم اتفاق مشکل است کہ شما را بحکم النفساء شہید باقافلۂ شہداء برو او جنت خواہند برد

و ما را بموت حرام بر او دیگر، ناچار فقیر جائے در خود را چو کفنی در بر کرد و گفت بحکم مو توا قبل ان

تموتوا ظاہر خود را مردہ وا گردانیدہ رفاقت شما بجان و دل بجا آورم کہ مقصود از زندگی تحصیل حظوظ

نفسانی است، آنرا فدائے راہ دوستی کردم[1]

غالباً مرزا صاحب کی یہی بہن ہیں جن کے صاحبزادوں کی سفارش مرزا صاحب کسی سے ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"فقیر ہمشیرزادہ ہا دارم، ہرچند کمالاتے ندارند، خالی از آدمیت نیستند، اما باقتضائے زمانہ پریشان روزگار واقع شدہ اند، خصوصاً یکے از آنہا بحالتِ اضطرار گرفتار است"[2]

مرزا صاحب نے کوئی اولاد چھوڑی یا نہیں، اس کے متعلق کوئی پتہ نہیں چلتا، ہاں اتنا یقینی ہے کہ انھوں نے شادی کی تھی، لیکن ان کی متاہلانہ زندگی کچھ زیادہ خوشگوار نہ تھی، اس لئے کہ ان کی بیوی کو جنون کا عارضہ ہو گیا تھا، خود مرزا صاحب نے اپنے وصیت نامہ میں، جو انھوں نے آخر عمر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے نام لکھا تھا، اس کا اظہار فرمایا ہے، فرماتے ہیں:-

"........پیش ازین چند منکوحۂ من از من درخواستہ بود کہ تدبیر امور اُخروی را برائے او واگذارم........ این مستورہ بنا بر عارضۂ سودا در طول عمر ناسازیہا بسیار با فقیر کردہ، چنانچہ مخفی از اعزہ نیست، اما از آن ہمہ عفو کردم"[3]

یہ عارضہ، جیسا کہ اوپر کی عبارت سے بھی ظاہر ہے، آخر آخر میں ہوا تھا، صاحب مقاماتِ مظہری کی اس عبارت سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے،

عفت پناہ عصمت دستگاہ زوجۂ شریعتِ حضرتِ ایشان طریقہ، از آنحضرت گرفتہ بمین صحبتِ مبارک بمرتبۂ حضور و آگاہی رسیدند و اجازت ارشاد نساء صالحہ یافتہ تاثیر گرم و ردلہامی فوزند و اقعات و مبشرات نیک میدیدند"

۱؎ معمولاتِ مظہریہ صفحہ ۱۳۵ ۲؎ کلماتِ طیبات مکتوب شصتم ۳؎ معمولاتِ مظہریہ صفحہ ۱۴۴

اخلاق و عادات | مرزا صاحب کا قد کشیدہ اور بلند تھا[1]، اور خشخاشی داڑھی رکھتے تھے[2]، لباس نہایت سادہ پہنتے تھے، عمامہ بطور سنت باندھتے تھے، اور قمیص پیش چاک پہنتے تھے[3]

مرزا صاحب باوجودیکہ درویش تھے، مزاج میں مرزائیت اور نفاست و نزاکت بہت تھی، خود بھی اپنی اس افتادِ طبع کی طرف کلام میں کہیں کہیں اشارہ فرمایا ہے،

در جنوں ہم میرزائی از مزاج ما نرفت — کز برائے خویش حمامے زگلخن داشتیم

بجائے سنگ طفلان پارہ ہای شیشہ باید زد — چو مظہر میرزا دیوانۂ نازک طبیعت را

درجائے سنگ شیشہ تواں بر سرش زدن — طفلان دماغِ مظہرِ دیوانہ نازکست

مظہر زما برید و دگر یاد ما نکرد — دیوانہ خوش نبود زوضعِ کرختِ ما

افسوس ہے کہ مرحوم مولانا محمد حسین آزاد نے نازک مزاجی اور بد دماغی میں کوئی امتیاز نہیں رکھا، انھوں نے مرزا صاحب کی نفاست و مرزائیت کو بد دماغی سے تعبیر کیا، اور ان کے حالات خصوصاً اطوار و عادات کے بیان کرنے میں بقول مولنا عبد الحیٔ مرحوم صاحب گلِ رعنا "چٹکیاں لی ہیں"، اور "کہیں واقعہ کی صورت ایسی بنائی ہے جس میں بجائے مدح کے ذم کا پہلو نکلتا ہے"، آزاد مرحوم نے مرزا صاحب کے عادات و اطوار سے متعلق جو چند حکایتیں لکھی ہیں ان کے جوابات مولانا عبد الحیٔ مرحوم نے گلِ رعنا میں دیدئے ہیں، اس لئے ہم ان کا اعادہ ضروری نہیں سمجھتے،

حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب کو سنجیدگی و متانت قدرت کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی، اور پھر نفاست و پاکیزگی اس پر مستزاد، ایسے شخص کی مجلس میں اگر آدابِ مجلس اپنے انتہائی عروج پر نہیں ہوں گے، تو اور کہاں ہوں گے، خود آزاد مرحوم کو بھی یہ تسلیم ہے کہ "جو شخص ان کی صحبت میں بیٹھتا تھا، ہوشیار ہو کر بیٹھتا تھا" لیکن اس سے اگر ہم یہ نتیجہ اخذ کریں، کہ مرزا صاحب بات بات

۱؎ معمولاتِ مظہریہ صفحہ ۱۳۱ ۲؎ تذکرہ کریم الدین ۳؎ معمولاتِ مظہریہ صفحہ ۱۳۱،

پر بگڑ جاتے تھے، اور ہمیشہ لوگوں کی نکتہ چینی کیا کرتے تھے، تو یقیناً یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے، شاہ غلام علی مرحوم کا شمار مرزا صاحب کے مقتدر مریدوں میں ہوتا ہے، ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مرزا صاحب نے اپنے ایک مرید سے کہا کہ تم اپنے بچوں کو یہاں کیوں نہیں لاتے، مرید نے گھر پر جا کر بچوں کو خوب سکھایا پڑھایا، اور سخت تاکید کی، کہ مرزا صاحب کے سامنے نہایت مودب ہو کر بیٹھیں اور کسی قسم کی گستاخی نہ کریں، دوسرے دن وہ اپنے بچوں کو لیکر حاضر خدمت ہوئے، مرزا صاحب بچوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور ان کے سن کے مطابق ان سے مذاق کرنے لگے لیکن بچوں کو تو باپ نے سبق پڑھا دیا تھا، وہ نہایت متانت و سنجیدگی اور ادب و تہذیب سے بیٹھے رہے، بالآخر مرزا صاحب نے تنگ آکر اپنے مرید سے کہا کہ تم اپنے بچوں کو نہیں لائے؟ مرید نے جواب دیا، حضرت یہ کیا بچے ہیں" مرزا صاحب نے فرمایا "یہ بچے ہیں، ان کو بچہ کون کہہ سکتا ہے، یہ تو بوڑھے ہیں، ارے بچے تو وہ ہیں، کہ کوئی میرا دو مال لے بھاگتا، کوئی ٹوپی سر سے اتار لیتا، کوئی کرتا پھاڑ لیتا، بھلا یہ بوڑھے بچے کیسے ہو سکتے ہیں؟[۱]"

کیا ایک بد دماغ آدمی بچوں کی یہ نازبرداری کرنے کے لئے کبھی تیار ہو سکتا ہے؟

مرزا صاحب، حقیقت یہ ہے کہ بہت کریم الاخلاق تھے، ہر شخص سے تواضع اور خندہ پیشانی سے ملتے، مشائخ کرام سے ان کو بہت محبت تھی، بالخصوص حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اکثر زیارت مزارات کو جاتے، اکثر فرمایا کرتے تھے، کہ مجھے جو کچھ ملا ہے، وہ میرے بزرگوں کی برکت ہے، ورنہ میرے اعمال ایسے کہاں جو قرب الٰہی نصیب ہو، مقربان و مقبولان خدا سے محبت رکھنا قبول خدا کا بہترین ذریعہ ہے،[۲]

ان کا عقیدہ اہل سنت و جماعت کا تھا، اکثر شیعے ان کے فیض صحبت سے سنی ہو گئے، چنانچہ

---

[۱] میر سید مرحوم کی والدہ اور بڑے بھائی ان کے مرید تھے [۲] قصص الاکابر [۳] مقامات مظہری ص ۳۵

وہ "سنی تراش" کے لقب سے مشہور تھے،[۱]

مرزا صاحب کو طہارت و پاکیزگی کا بہت خیال رہتا، نماز ہمیشہ تازہ وضو سے اور مستحب اوقات میں ادا کرتے تھے، اور صلوٰۃ و جماعت کا بہت خیال رکھتے تھے، اپنے مریدوں اور دوستوں کو بھی یہی مشورہ دیتے، اور جس کو اس کے خلاف پاتے اس سے ناراضگی کا اظہار کرتے،[۲] لوگوں کو تاکید فرماتے کہ اسلامی طریقہ سے سلام کرو، ہاتھ اٹھانے اور سر جھکانے کو منع فرماتے،[۳]

حسن پسندی اور نفاست مرزا صاحب میں بہت تھی، اور بچپن ہی سے تھی، چنانچہ شیرخوارگی کے زمانہ میں بھی حسن کی طرف اس قدر میلان تھا کہ کسی بدصورت کی گود میں کبھی نہ جاتے، لیکن کوئی خوبصورت اگر ہاتھ بڑھاتا، تو ہمک کر اس کی گود میں چلے جاتے، صاحب مقامات مظہری کا بیان ہے کہ مرزا صاحب خود فرماتے تھے کہ

"مرا یاد است طفل شش ماہہ در آغوش مرضعہ بودم، زنے جمیلہ مرا در کنار گرفت، جلوۂ جمالش اول مرا از جا برد و خاطر را باو وابستگی پیدا شد، دلم بے دیدار او قرار نمی گرفت در فراقش گریہ می کردم پنجسالہ بودم کہ آوازۂ عاشقی من بر زبانہا افتاد و در مردم مشہور گشت کہ این پسر مزاج عاشقانہ دارد۔"

مرزا صاحب بہت خلوت پسند تھے،[۴] خلوت پسندی دنیاوی جاہ و منزلت سے نفرت کی پہلی منزل ہے، چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ مرزا صاحب کو جاہ و ثروت سے کبھی کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی، خود فرماتے ہیں:-

اگرچہ حسن پرستست پارسا خوشست	نکرد میل بدنیائے قحبہ مظہر ما

عمر بھر کرایہ کے مکان میں رہے، اپنا ذاتی مکان کبھی نہ بنوایا، فرمایا کرتے، کہ "برائے گذشتن

---

[۱] معمولات مظہریہ ص ۱۳۱ [۲] ایضاً ص ۱۳۰ [۳] مقامات مظہری ص ۳۵ [۴] معمولات مظہریہ ص ۱۲۵

خانہ خویش یا بیگانہ برابر است[1] کھانا ہمیشہ بازار سے منگوا کر کھاتے، ہمیشہ صرف ایک جوڑا کپڑا رکھتے،

نذر و نیاز کے لئے ایسی کڑی شرطیں لگا رکھی تھیں، کہ مشکل سے پوری ہو سکتی تھیں، وہ

شرطیں یہ تھیں:[2]

(۱) پیش کرنے والا نجیب و شریف ہو،   (۲) دنیا داروں سے میل جول نہ رکھتا ہو،

(۳) صالح و پرہیزگار ہو،   (۴) حرام و حلال میں تمیز کر سکتا ہو،

(۵) ایسے ملک سے تازہ وارد نہ ہو جہاں لوٹ مار ہوتی ہو (۶) اخلاص و عقیدت سے پیش کرتا ہو

مرزا صاحب بیماروں کی عیادت کو ضرور جاتے، ہر شخص کو ہمیشہ نیکی سے یاد فرماتے، صحابۂ کرام

و اولیائے عظام کے نام بغیر تعظیم و تکریم کے زبان پر کبھی نہ لاتے، کبھی کسی کی غیبت نہ کرتے، اور نہ

غیبت کرنے والوں کو اچھی نگاہ سے دیکھتے، جو ان کے عیوب اُن پر ظاہر کرتا، اُس سے ناراض نہ ہوتے

بلکہ اس کا شکریہ ادا کرتے، ہمیشہ نرمی سے بات کرتے، کسی پر اعتراض نہ کرتے، بہت سخی و فیاض تھے،[3]

مرزا صاحب کی کتاب اخلاق کا سب سے نمایاں اور امتیازی باب ان کی پیروی سنتِ رسول

انام ہے، چنانچہ وہ خود فرمایا کرتے تھے، کہ میں نے اپنے اوقات و اعمال کو سنتِ نبوی کے طریقہ پر

تقسیم کیا ہے، اور اسی پر عمل کرتا ہوں، اگر تم میں سے کوئی میرا کوئی کام خلافِ شرع دیکھے، تو مجھے

متنبہ کر دے،[4] اور یہ بات ان میں بچپن ہی سے پائی جاتی تھی، چنانچہ ایک دن اپنے والد ماجد کے ساتھ ان کے

مرشد (شاہ عبد الرحمٰن قادری) کی خدمت میں گئے، شاہ صاحب ذکر و سماع کی حالت میں تھے عصر و

مغرب کی نماز قضا ہو گئی، مرزا صاحب نے اسی وقت دل میں عہد کر لیا کہ اگر والد ان سے بیعت کیلئے کہیں گے

تو نہ کروں گا،[5] اوپر جو ہم نے مرزا صاحب کے عادات و اطوار لکھے ہیں ان پر آپ غور کریں، تو ان میں

سنتِ نبوی کی پیروی سراسر آپ کو نظر آئے گی، ہر شخص کو نیکی سے یاد کرنا، ہر شخص سے مہربانی و شفقت

---

[1] معمولات مظہریہ ص۲۴ [2] ایضاً ص۲۶ [3] ایضاً ص۳۱ [4] مقامات مظہری ص۳۵ [5] معمولات مظہریہ ص۲۴

اور تواضع اور خندہ پیشانی سے ملنا، نرمی سے گفتگو کرنا، غیبت و بدگوئی سے پرہیز کرنا، کبھی اپنا ذاتی

مکان نہ بنوانا، ہمیشہ صرف ایک جوڑا کپڑا رکھنا، غایت پاکیزگی و طہارت، یہ تمام اعمال، سنتِ نبوی کی پیروی

نہیں تو اور کیا ہے؟ غرض مرزا صاحب کا ہر کام سُنّتِ نبوی کے مطابق ہوتا تھا، اور یہی ایک مسلمان

کا بہترین حاصلِ زندگی ہے،

بعض مکاتیب میں بھی سُنّتِ نبوی کے اتباع پر زور دیا ہے، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"کاری غیر از ترویج شریعت و طریقت از زندگی مقصود نیست ...... ما و شما را باتباع

سُنّتِ نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ استقامت روزی کند۔"   (مکتوب پنجاہم)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو لکھتے ہیں:۔

"درین ایام بر خاطر نسق اتباع سُنّت بسیار مستولی است۔"   (مکتوب ہفتاد و نہم)

مرزا صاحب کی کتاب اخلاق کا دوسرا درخشاں باب ان کا توکل و استغنا ہے، یہاں

ہم چند واقعات درج کرتے ہیں، جن سے ان کے توکل و استغنا اور دنیا سے بے تعلقی کا اندازہ

ہو سکتا ہے،

ایک مرتبہ محمد شاہ نے اپنے وزیر قمر الدین خان کی زبانی کہلا بھیجا، کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکومت

بخشی ہے، آپ کا جو کچھ جی چاہے، بطور ہدیہ قبول فرمائیے، مرزا صاحب نے جواب دیا، کہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے قل متاع الدنیا قلیل جب کل دنیا قلیل ہے، اور تم کو اس قلیل کا ساتواں حصہ ملا ہے، تو

تمہارے پاس ہے ہی کیا، جس کے لئے فقیر کا سر جھکے گا،[1]

ایک امیر نے حویلی، خانقاہ اور فقراء کے لئے وجہ معاش خدمت میں پیش کی، قبول نہیں فرمایا،[2]

ایک روز سخت سردیوں کے دن میں ایک پرانی چادر کاندھے پر ڈالے ہوئے تھے، نواب خان

---

[1] مقامات مظہری ص۳۴ [2] ایضاً ص۳۴

فیروز جنگ حاضرِ مجلس تھے، یہ دیکھ کر آنکھیں پُرنم ہوگئیں، اپنے ایک مصاحب کو مخاطب کرکے کہا یہ ہماری بدبختی کی دلیل ہے، کہ وہ بزرگ جن کی خدمت میں ہم کو ارادت وبندگی حاصل ہے، ہمارا تحفہ قبول نہیں فرماتے، حضرت میرزا نے فرمایا "مین نے عہد کیا ہے، کہ مالدارون کا تحفہ قبول نہیں کرونگا، اب کہ میری زندگی کا آفتاب قریب غروب ہے، اپنے اس عہد کو کیسے توڑ سکتا ہون؟"[۱]

ایک مرتبہ نظام الملک تیس ہزار روپئے نقد بطور نیاز لائے، مرزا صاحب نے قبول نہیں فرمایا، نظام الملک نے کہا "اسے لیکر راہِ خدا مین حاجتمندون کو تقسیم کر دیجئے" فرمایا "مجھے اس کا سلیقہ نہیں، یہان سے تقسیم کرنا شروع کر دو، گھر پہونچتے پہونچتے ساری رقم ختم ہو جائیگی"[۲]

ایک مرتبہ ایک افغان سردار نے تین سو اشرفیان بھیجین، قبول نہ کیا[۳]

مرزا صاحب، صرف یہی نہین کہ امیرون کے تحائف وہدایا لینے سے انکار فرماتے، بلکہ جہانتک ممکن ہوتا، ان لوگون سے ملنے مین بھی احتراز فرماتے، اس کے اشارات ان کے خطوط مین بھی ملتے ہین، چنانچہ ایک مکتوب مین فرماتے ہین:

"دونیمی خان را کہ ارادہ ملاقات فقیر داشت منع کردم کہ نیاید وحافظ رحمت خان کہ پیش فقیر حاضر شدہ بود صحبت او با فقیر نادرست افتاد" (مکتوب پنجاہ وچہارم)

نواب خانخانان خلف نواب قمر الدین وزیر کو اس طرح ڈانٹ بتاتے ہین:

"امرائے این جہان را باید کہ با سلاطین آن جہان یعنی فقرا با ادب باشند، خصوصًا در اوقات استمداد واستعانت کہ دلِ فقرا، ملتفت گردد، درچنین اوقات بے پروائی کردن وتحریر مطالب بعہدہ بے ادبان گذاشتن ضرور دارد، اگر حُسن ظنّے درمیان است، ادب واجب است، واگر نیست، رجوع وانابت چہ ضرور است، باندیشہ ہمین اختلاط ورسم مراسلات ترک نمودہ ایم

له مقامات مظہری صفحہ ۳۵ ، ۲ ایضاً صفحہ ۳۳ ، ۳ ایضاً صفحہ ۳۴ ،

ودعا گفتہ ایم" (مکتوب شصت ویکم)

لیکن مرزا صاحب غریبون سے بہت محبت سے ملتے تھے، احمد علی سندیلوی صاحب تذکرہ مخزن الغرائب، مرزا صاحب کے ہمعصر تھے، ان کا بیان ہے، کہ

"با غربا بسیار بتواضع پیش می آمد، فقیر راقم مسودہ دو سہ دفعہ بخدمتش رسیدہ، ہنوز لذّت صحبتش از دل نرفتہ"[۱]

مرزا صاحب اپنے مریدون اور دوستون کو بھی ہمیشہ توکل واستغنا کی تاکید فرماتے، اور اہل دنیا سے ضرورت سے زیادہ میل جول بڑھانے پر ناراضگی کا اظہار فرماتے،[۲]

اگر کوئی مرید یا کوئی غریب شخص ہدیہ پیش کرتا تو قبول فرما لیتے، لیکن امراء کے تحائف قبول کرنے سے سخت احتراز فرماتے، اس بنا پر کہ امراء دوسرون کا مال غصب کرتے ہین،[۳] چنانچہ ایک مرتبہ ایک امیر نے کچھ آم اُن کی خدمت مین ہدیۃً بھیجے، مرزا صاحب نے حسبِ معمول قبول کرنے سے انکار کر دیا، بہت الحاح ومنت کیساتھ اس نے پھر بھیجا، انھون نے اس مین سے صرف دو آم لے لئے اور باقی واپس کر دیئے، اسی وقت ایک باغبان دوڑا ہوا آیا، کہ فلان امیر نے جبرًا میرے باغ مین سے آم توڑے، اور حضور کو ہدیۃً بھیجے، مرزا صاحب بہت مکدّر ہوئے،[۴]

مرزا صاحب، اہلِ فضل وکمال کی حسبِ مراتب تعظیم وتکریم کرتے، لیکن کسی بے دین کی تعظیم مین خواہ وہ امیر ہو یا غریب کھڑے نہ ہوتے،[۵]

له مخزن الغرائب نسخہ دار المصنفین ۲ مقامات مظہری صفحہ ۳۶ ۳ ایضاً صفحہ ۳۴ ۴ ایضاً صفحہ ۳۵ ۵ ایضاً صفحہ ۳۵

مثنوی محبت نامہ سوز وگداز

ملا نوعی خبوشانی

از

نواب صدر یار جنگ بہادر مولینا حبیب الرحمن خان شروانی

"مولوی سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب رفیق دار المصنفین کا جو مسلسل مضمون "مغل بادشاہوں اور شاہزادوں کا علمی ذوق" کے عنوان سے نکل رہا ہے، اوس کے اکتوبر نمبر میں ملا نوعی خبوشانی کی مثنوی سوز وگداز کا ذکر آگیا تھا، کتبخانہ حبیب گنج کے خزانہ میں حسن اتفاق سے اسکا ایک نسخہ موجود ہے، صاحب کتبخانہ نے چند ماہ ہوے کہ اس مثنوی پر یہ تبصرہ لکھکر عنایت فرمایا تھا، مگر بعض وجوہ سے اسکی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی جس کا افسوس ہے، "س"

اکتوبر ۱۹۴۱ء کے معارف میں مرزا دانیال شاہزادہ کے تربیت یافتون کے ذکر میں ملا نوعی خبوشانی اور اون کی مثنوی سوز وگداز کا ذکر آگیا ہے، اس مثنوی کا ایک نسخۂ نادر میرے یہان ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کسی نکتہ سنج شائق نے لکھوایا تھا، کاغذ، خط، نقاشی وطلاکاری سب ملکر بیک زبان شوق اور نکتہ سنجی کی شہادت دے رہی ہین،

اسی جلد میں اور ہو بہو اسی تیاری کا ایک اور نسخہ ملا وحشی کی نایاب مثنوی شیرین فرہاد کا بھی ہے، فرق صرف اتنا ہے، کہ مثنوی سوز وگداز کے عنوان مین زرین تاج ہے، شیرین خسرو اس سے عاری ہے، تقطیع ۵ × ۴، ۱ انچ ہے، چھپی ہے، معلوم ہوتا ہے، کسی دلدادہ سخن کے دل کو

یہ نسخہ روح افزا لگا رہتا تھا خط جلی استادانہ، کاغذ وصلی، مائل بہ سنہری، بکثرت زر افشان، عنوان طلاکار مینائی لاجوردی، دو پہلے صفحے طلاکار بین السطور جدول طلائی ولاجوردی تمام نسخہ بے عیب وصاف ہے، افسوس ہے کہ کاتب کا نام اور تاریخ درج نہین مجموعی شہادت یہ ہی کہ مؤلف کے زمانہ کے قریب کا لکھا ہوا ہے، تعداد اشعار پانسو چوراسی ہے،

کلام پر رائے نوعی نے اس کا نام ایک عنوان مین محبت نامہ سوز وگداز لکھا ہے، اسم بامسمی ہے، کلام بہت گرم، بلکہ اول سے آخر تک آتش فشان ہے، اسی کے ساتھ بیان مین نزاکت ہے، واقعہ کی تصویر مصورانہ نکتہ سنجی سے کھینچتا ہے، گرمی بیان پر شاہزادہ دارا شکوہ کا یہ شعر صادق آتا ہے

تنم بسوخت دلم سوخت استخوانم سوخت تمام سوختم وشوق سوختن باقی است

خوبی وگرمی کلام متقاضی ہے کہ معارف کے قدر شناس اوس کے لطف سے بہرہ اندوز ہون، انتخاب حاضر ہے،

نوعی کا حال مزید سنہ وفات کی تصحیح معارف مین نوعی خبوشانی کا سنہ وفات ۱۰۵۹ھ درج ہوا ہے، جو صحیح نہین، صحیح بموجب بیان ریاض الشعراء وخزانہ عامرہ وغیرہ سنہ ۱۰۱۹ھ ہے، میر آزاد نے حسب عادت تاریخ عبارت مین لکھی ہے، "فی سنۃ الف وتسع عشرۃ"

ریاض الشعراء مین ہے "درسنہ یک ہزار ونوزدہ در برہان پور برحمت الٰہی پیوستہ"

تذکرہ خزانہ عامرہ مین ہے، کہ شاہزادہ دانیال کی وفات کے بعد نوعی خانخانان کی بارگاہ مین باریاب اور اسکی قدر دانیون سے کامیاب ہوا، قصیدے اور ساقی نامہ اوس کی مدح مین لکھا، گرانمایہ صلے حاصل کئے، ذخیرۃ الخوانین کی یہ روایت نقل کی ہے، "یک بار خان خانان ملا نوعی را بزر سنجید"

دیوان دیوان نوعی کے دو نسخے قلمی میرے یہان ہین، دونون اقسام کلام قصائد وغزل و

مثنوی و رباعی سے معمور ہین، خوشخط و کامل ہین، دونون مین مثنوی سوز و گداز ہے، ایک نسخہ مین ایک اور مثنوی بھی ہے، یہ مثنوی ساقی نامہ ہے جو خانخانان کی مدح مین لکھا گیا تھا، خزانۂ عامرہ مین اس کا ذکر ہے، بہت شگفتہ و مستانہ کلام ہے، ایک موقع پر لکھا ہے،

شرابے کہ خون در بدن گل کند　　　بتن موج منقارِ بلبل کند
بمن دہ کہ مست و گل افشان روم　　　رہِ مدحتِ خان خانان زدم

ایک دیوان پر تاریخِ تحریر درج نہین، دوسرے پر ۱۰۶۸ھ مقام برہان پور تحریر ہے، اس طرح یہ دیوان نوعی کی وفات کے انچاس[۴۹] برس بعد لکھا گیا ہے،

انتخاب مثنوی سوز و گداز ملا نوعی خبوشانی

حمد

الٰہی خندہ ام را تازگی دہ،　　　سرشکم را جگر پرکالگی دہ،
نفس را جلوۂ آہِ جگر بخش　　　نظر را سوے خود راہِ سفر بخش
دلم را عندلیب آوازہ گردان　　　گلِ باغم بآتش تازہ گردان
مئے شوقم دہ از پیمانۂ عشق　　　کہ جوشد بر لبم پروانۂ عشق
بآتش آب دہ تیغِ زبانم　　　کہ جز حمدت نروید از بیانم
ز نخل اینم دہ خامۂ حمد　　　کہ آرایم بنامت نامۂ حمد
بپا اندازِ حمدت کارِ چند است　　　زبان تا دل پرند انداز پند است
ولے پاے کہ برگل ناز دارد　　　کجا پرواے پا انداز دارد
من و حمدت زبان را خاک بر سر　　　ادب را درعِ طاقت چاک در بر

نعت

محمد صیقلِ مرآتِ بینش　　　نظر بہاے چشمِ آفرینش
شفاعت سنجِ جرمِ آباد ہستی　　　قناعت گنجِ ملکِ تنگدستی
فلک گلدستۂ طرفِ کلاہش　　　ملک پروانۂ شمعِ نگاہش
ز شہرستانِ رحمت بے نصیبم　　　غریبم یا رسول اللہ غریبم
تو بیکس دوست من ہمسایہ دشمن　　　نیابی تا کسے بیکس تر از من
ز رحمت زارِ خویشم دہ گیاہے　　　بہشتی کن گیاہم از نگاہے

مناجات

خدا وندا دلم افسردن آموخت　　　نفس در دیدہ از دل مردن آموخت
بناخن گر بکاوی آہن و سنگ　　　بہر جا شعلہ بینی بر آورنگ
غرامت بین کہ این ناکس دلِ من　　　نہ کوہِ طور شد نے سنگ و آہن
من و این دل کہ گمنامِ زبان باد　　　چنین دلہا نصیبِ دشمنان باد
ز خونِ این چنین دل خاک تر بہ　　　چنین دل طعمۂ زاغ و زغن بہ
بجاے این دلِ افسردہ پیکر　　　دلِ پروانہ ام دہ یا سمندر
دلے ریشے از آن اجزای جان ریش　　　دلے کز نامِ او گردد زبان ریش
دلے ہمسایۂ فریاد و بلبل　　　دلے صید گل و صیاد بلبل
دلے سر تا قدم چون شعلہ روشن　　　کشیدہ کسوتِ فانوس بر تن
ز شوقے کن سرم را سجدہ فرسا　　　کہ شوق از سر ندانم سجدہ از پا
شہادت را شرابِ ہوشِ من کن　　　محبت را گلِ آغوشِ من کن

مرے دہ زادۂ خمخانہ رطورا | کز و مستی و ہشیاری بود دور

کہ ہر گہ سایہ اش بر ساغر افتد | تو گوئی آتش اندر مجمر افتد

شبِ تاریک و در سر دیدہ اعمی | کرامت کن چراغانِ تجلّی،

ز نورِ وحدتم خاطر برافروز | بطور روئیتم راہے بیاموز

دلم را عافیت اندیشگی دہ | نہادم را شہر بیت بیشگی دہ،

عروجے دہ بمعراج قبولم | رہے بنما بدرگاہِ رسولم

سببِ تالیف کتاب | شہزادہ دانیال نے بلایا،

قضا فرمان شہنشاہِ جوان بخت | فلک خرگاہ ماہِ آسمان تخت

چراغ افروز مسندگاہِ اقبال | گلِ خورشید نو شہزادہ دنیال

بلا کر کہا:-

حدیث بلبل و پروانہ تا چند | ہوس در خواب این افسانہ تا چند

کہن شد قصۂ فرہاد و شیرین | بجو عیشِ رفتہ، و تقویم پارین

بجز نامے ز لیلیٰ بر زبان نیست | بجز حرفے ز مجنون در میان نیست

یکے برطرفِ آتشخانہ بگذر، | بر آئینِ بت و بت خانہ بنگر،

عجب تر آنکہ بعد از مرگ مردان | زنان بر شیوۂ آتش نوردان

ز آتش دامنِ ہمت نچینند | جوانمروانہ در آتش نشینند،

رخ از جام سمندر بر فروزند، | ز بہر مردۂ خود را بسوزند،

تعجب نیست گز دعوائے صادق | بسوزد در غمِ معشوق، عاشق،

نوائے این عجب ساید بعیوق | کہ سوزد بہرِ عاشق زندہ معشوق

ہمین باشد ہمین معراجِ ہمت | نثارِ جان تاراجِ محبت

کسے نوعے نمی آساید از عشق | ازین ہا ہر چہ گوئی آید از عشق

ایا پروانۂ بلبل ترنم | جگر خون غنچۂ آتش تبسم

ہمی خواہم بماند کہ روزگارے | برانگیزانی از آتش بہارے

حدیثِ شمع کلکت بر فروزد | کہ ہر کس بشنود جانش بسوزد

بحرفِ تازۂ خرم کنی گوش | کہ تا رمزِ کہن گردد فراموش

نوعی نے یہ حکم سنکر مثنوی لکھی،

لعابِ شعلہ بر کاغذ تنیدم | گہر در رشتۂ آتش کشیدم

بستی آن رہ نارفتہ رفتم | رہ یک سالہ در یک ہفتہ رفتم

چو ان این غم نامۂ سوزان حکایت | نفس بگداخت در کام روایت

رقم زد خامۂ معجز طرازش، | محبت نامۂ سوز و گدازش

برات روانہ ہوئی نوشہ کا عالم،

بہ پیشِ گل فگندہ از مہ نقابے | بمہتابے نہفتہ آفتابے،

ز گل آغوش زین رشکِ چمن شد | ز نکہت بارگی بادِ ختن شد

نظر بتخانہ گردد دل برہمن | شکیبائی عنان و شوق توسن

قدم بر آرزو می سود و می رفت | نگاہش بر قفائے بود و می رفت

عالم مسرت عام،

جہان سرشار شوقِ شادیِ او | عروسی خانۂ دامادیِ او

خروشِ نائے و بانگِ شادیانہ | فگندہ حلقہ در گوش زمانہ

چراغان کردہ بام و در گلستان　　گلستانے ز فانوسش خیابان

بجان شہرے تماشاست شادی　　فلک گلدستہ، در دستِ شادی

چھتے میں برات داخل ہوتی ہے،

رسیدند از قضا در تنگنائے　　چو دہلیزِ عدم تاریک جائے

بروئے چون درونِ دخمہ تاریک　　رہے چون نقبِ موران تنگ و تاریک

بہر سویش بلند ایوان و قصرے　　کہ بودے سایہ اش بر طاقِ کسریٰ

زبس طوفان بر و شبنم فشاندہ　　درستی در گل و خشتش نماندہ

شکست اندر نشست آن بام و دیوار　　تبارِ عنکبوتش بستہ معمار،

ہوا مزدورِ پستی بانیِ او　　نفس معذور در ویرانیِ او

خروشِ صور چون از جای جنبید　　بنایش چون بنائے قبر لرزید

زبس زلزال کوسِ آتشین دم　　بنایش چون مقوی ریخت از ہم

چون از ہم ریخت آن فرسودہ پیکر　　نہان شد زیرِ ہر خشتیش صد سر

چنان با خاک خشتش تخمِ سر کشت　　کہ خشت از سر ندانستے سر از خشت

شکست آن دخمہ چون بر فرقِ داماد　　تو گفتی آسمان بر خاک افتاد

خروش از چرخِ نیلی پوش برخاست　　ز ہر دل صد قیامت جوش برخاست

نوائے مطربان شد نوحہ آہنگ　　شکستے گریہ ناخن در دلِ سنگ

شد از نیرنگ چرخِ سندروسی　　عروسی ماتم و ماتم عروسی

چو در شہر این صدائے ناخوش افتاد　　ہمی گفتی کہ در شہر آتش افتاد

نوشہ کی ارتھی چلی،

روانش در عماری جاے دادند　　عماری را چو گل بر سر نہادند

ہمان با کوس و نای و مطرب و دف　　ہمی رفت و جہانے ہمرہ وے

عروسِ شعلہ شد جانانۂ او　　شد آتش گہ عروسی خانۂ او

حادثہ کی عروس کو خبر ہوئی،

چو آن خواب پریشان دید دختر　　چو گل بر باد حسرت داد معجر،

ز عشرت خانہ سرمستانہ برجست　　خسک بر پاے و آتش برکف دست

برہنہ پا و سر چون شعلہ مفتون　　ہمی گفتے کہ لیلے گشت مجنون

زمینہاے شوقِ جانسپاری　　شدہ پروانۂ شمعِ عماری

ز شوقِ سوختن در آتشِ دوست　　نمی گنجید ہمچون شعلہ در پوست

چو نخلِ شعلہ می نالید و می رفت　　بر آتش سینہ می مالید و می رفت

مخلوق کی پریشانی اور سمجھانا

جہانے خانہ سوز آہ و افسوس　　کہ جوید شیوۂ پروانہ طاؤس

حکیم و فیلسوف و پیر و دانا　　فسون آموز آن دل ناشکیبا

کہ شوقش زان تمنا فرو سازند　　بجانش مہر آتش سرد سازند

برہمن ملتانِ بت پرستار　　ہدایت مرشدِ ناقوس و زنار

ز ہر سو نغمہ سنجِ صد نویدش　　تسلی دہ ز صد بیم و امیدش

لڑکی کا جواب

ولے او مست آتش آشنائے　　زبان نشناس کافر ماجرائے

بگفت ار بت بتیغ من گراید　　بجو داو دگر از من نیاید

کسے را اختیارِ جانِ کس نیست
نہ خود جانِ من است این زان کس نیست

چرا تا زندہ ام شرمندہ باشم
کہ سوز و دلبر و من زندہ باشم

سمجھانے والے چپ ہو گئے،

چو از ہر مکر و حیلت باز رستند
زبان بستند و در ماتم نشستند

اکبر بادشاہ کو خبر ہوئی،

چمن پیرائے این آتش ہوا باغ
نمک سود این چنین ساز و گل و داغ

کہ چون این قصہ در عالم سمر شد
شہِ کار آزمایان را خبر شد

طلب کرد آن بتِ کافر لقب را
بکوثر بار داد آن تشنہ لب را

بفرمانِ شہ آمد آتش آلود
چو سرکش شعلہ پیچیدہ در دود

قدے چون شعلہ از تعظیم خم داد
زمینِ سجدہ را فیضِ ارم داد

شہ از لطفش بپائے تخت بنشاند
جواہر ہائے لب بر فرقش افشاند

کشیدش از نوازش دست بر سر
سر او تخت و دستِ شاہ افسر

تسلی دادش از مسکین نوازی
بشیرین پندہائے لعب و بازی

بعز زندگی خود داد اختصاصش
بعصمت گاہِ خلوت کرد خاصش

زہر جنسیش از مہ تا بماہی
کرامت کرد غیر از بادشاہی

لڑکی پر شاہی فہمایش کا کچھ اثر نہ ہوا،

و لیکن آن زنِ مردانہ ہمت
شکر لب طوطیٔ پروانہ ہمت

زصد عالم تمنی بر تمنی
نمی شد جز بجان دادن تسلی

لبش جز گوہرِ آتش نمی سفت
بغیر از سوختن حرفے نمی گفت

بادشاہ نے مجبوراً اجازت دی، انتظام کیا گیا،

چو عاجز شد شہ از دلجوئی او
عنان برتاخت ز آتش خوئی او

اجازت گونہ دادش نہ از دل
زشادی بر پرید آن مرغ بسمل

باخر آن سپہر دانش و داد
قرار چارہ بیچارگی داد،

اشارت کرد با پورِ جوان بخت
کہ اے چشم و چراغِ افسر و تخت

ببر این شعلہ را تا کانِ آتش
درافگن آتشے در جانِ آتش

بدلجوئیش چون شیر و شکر شو
چو خورشیدش باتش راہبر شو

اگر زی پند پذیرد یاورش باش
وگرنہ ہمچو آتش بر سرش باش

بجز من عود و صندل بر فروزان
برسمِ دخت رایانش بسوزان

گل بخت و بہارستانِ اقبال
مرادِ انس و جان شہزادہ دانیال

بحکمِ شاہ فرمانِ تماشا
روان شد ہمرہِ آن شکیبا

جہانے کردہ وقف از ہر کنارہ
متاعِ جان بتاراجِ نظارہ

شہش در ہر نظر دادے پیامے
بہر گامے رہا کردیش کامے

تمامے رہ بر و افسانہ می خواند،
دلش میداد و رخش آہستہ می راند

ولے او از ہر دو عالم بے خبر بود
بجانش شوقِ آتش کارگر بود

بشہ گفتہ مرا بدنام کردی
بافسون روزِ عیشم شام کردی

ز صبرم رنجہ خواہد گشت یارم
بخواہد مرد آتش ز انتظارم

باخر شہ چو از گفتن فرو ماند
گلابِ یاس بر سوزِ دل افشاند

اجازت داد کاتش بر فروزند
در آتش ہر دو را باہم بسوزند

اطاعت پیشگانِ شاہزادہ　　بخدمت نقدِ جان برکف نہادہ

چو از شہ نغمۂ رخصت شنیدند　　بسوے خیمہ چون آتش دویدند

زبس چیدند برہم صندل و عود　　جہان پُرشد ز دودِ عنبر آلود

کم از مژگان بہم سودن زمانے　　مہیا شد سمندر آشیانے

نخست آن کشتہ را در وے نہادند　　بخور آسا بمجمر جاے دادند

چو دودش باد ماغِ دختر آمیخت　　شدش جان عطسہ و برخاک ہ ریخت

سپند آسا بوجد افتاد و برخاست　　بشکر شہ زبان چون شعلہ پیراست

زبعد شہ وداعِ یک بیک کرد　　دو چشمِ حاضران کانِ نمک کرد

ہمی رفت و بتحریکِ زبانی　　ز غم می سوخت بے آتش جہانی

لب از پان سُرخ و چشم از سرمہ خونریز　　چو یاقوتے شد اندر آتشِ تیز

چنان مستانہ بر آتش نظر کرد　　کہ از بد مستیش آتش حذر کرد

چنان از شوقِ دل بیتاب گردید　　کہ از گرمیش آتش آب گردید

چو موج انگن شد آن طوفانِ خونریز　　در آمد در میانِ آتشِ تیز،

در آتش ہمچو صرصر پاے کوبان　　غبار از خویش و دود از شعلہ روبان

محیطش گشت آتش با صد افسوس　　تنِ او شمع و آتش گشت فانوس

زخونِ دل بر آتش روغن افشاند　　سپندِ اشک دامن دامن افشاند

ز آتش وعدہ گاہِ یار پرسید　　سُراغِ جلوۂ دلدار پرسید

خبر داد آتش از رازِ درونش　　بکوثر گشت آتش رہنمونش

چو آگہ شد ہم از رہ بر سرش تاخت　　نقابش را ببوس از رو بر انداخت

سر شوریدہ بر زانو نہادش،　　لبش بوسید و رو بر رو نہادش

کشیدش تنگ تر از جان در آغوش　　چو جانان یافت گرد از جان فراموش

بنوعے امتزاجِ آن دو تن شد　　کہ جانِ این تنِ آن را کفن شد

شاہزادہ پر اثر رقت اور بکر ر فرمایش

چو نقشِ حالِ او شہزادہ برخواند　　گلاب از گلبنِ مژگان برافشاند

دمے چون ابرِ رحمت زار بگریست　　کہ مارا شرم باد از تہمتِ زیست

زغم مست از شرابِ گریہ مدہوش　　در آتش راند مرکب چو سیاوش

بگفت اے شیر دل معشوقِ صادق　　ہمین باشد عروجِ عشقِ عاشق

بہ تحسین روے مردان بر زمین ست　　ہزاران آفرین بر آفرین ست

تسلی شو کہ کارِ خویش کردی　　بہ دعویٰ زانچہ گفتی بیش کردی

کنون شہرے ز تیمارت خراب ست　　گر از آتش برون آئی صواب ست

لڑکی نے سن کر جواب دیا،

ہمین گہ واز شاہ آمد بگوشش　　باستقبالِ آن برخاست ہوشش

ز حرف سوزناکِ لب بخون شست　　کہ دل تبخالہ گشت و از لبش رست

کہ اے کاملِ عیارِ عشق سنجان　　مرنجانم مرنجانم مرنجان

پس از عمرے نصیبم شد وصالے　　وصالے بے وفا تر از خیالے،

دمِ وصلم زمانِ واپسین است　　بعمر خویشم آسایش ہمین است

رخش نا دیدہ عمری ز اشتیاقش　　تمنا کردہ بودم در فراقش،

کنون کش یافتم بے رنجِ اغیار　　رہا کردن زہے ننگ و زہے عار

بدرون دستش از دامن ندارم   دلم دارد وفا گر من ندارم

اگر راہِ وفاداری نپویم،   بمحشر چون جوابِ عشق گویم

ہوس از عشقِ من شرمندہ بہتر   بمرگِ من محبت زندہ بہتر،

لبش باشاہد گفت و شنو بود   ولے ہر ذرہ اش آتش درو بود

چنان طوفانِ آتش رُخ برافروخت   کہ حرفش درمیانِ گوش و لب سوخت

دلش مشغولِ رازِ خود فروشی   زد آتش بر لبش مہرِ خموشی،

کشید آتش ز شوقش در بغل تنگ   چو مخمورے کہ در ساغر زند چنگ

ملاحت پیکرش در ہم نوردید   چو مستی در کبابِ شور پیچید

تن صافش چون شد شعلہ آلود   تنِ او شعلہ گشت و شعلہ شد دود

رخش از تابِ آتش تازہ گلشن   بروہر شاخِ سنبل نخلِ ایمن

ہزارش سوز و آتش در رگ و پوست   ولے مغزِ دلش آغشتۂ دوست

وجودش چون خمِ مے جوش درجوش   زبانش چون لبِ پیمانہ خاموش

در آتش چون سمندر غوطہ ور شد   ہمہ ذراتِ او آتش شرر شد

ز استیلاے آتش سرنہ پیچید   ازین پہلو بآن پہلو نگردید

سراسر سوخت ذراتِ وجودش   کہ از دل بر زبان نگذشت دودش

ہمان در نعتِ عشق و ذکرِ آن گل   زبانش طوطی و دل بود بلبل

بگاہِ سوختن از ہر کنارہ   روان شد تیر بارانِ نظارہ

دو بار افراشت از آغوشِ ہوشش   سرِ خود چون حباب از دودِ آتش

چو خورشیدِ قیامت آتشین روے   ہزاران شعلہ اش ژولیدہ در موے

بہر سو کرد خندان لب نگاہے   نگاہِ گرم تر از برقِ آہے،

دوبارہ از قعرِ آتش سر برآورد   حبابش غوطہ ہم بر سر آورد

ز گرمی گشت آتش بر تنِ خشک   شد او خاکستر و خاکسترش مشک

کفِ خاکسترِ آن پیکرِ نور،   مصفا تر نمود از مغزِ کافور

مجرد شد چو روح از تن پرستی   باتش پاک شد از جرمِ ہستی

ز جرمِ آب و گل شد صاف و بے غش   بپالود از حریرِ نورش آتش،

زہر آلایشے خود را بری کرد   لباسِ عمرش آتش گازری کرد

مبرا زین حیاتِ رائگان شد   بپیراے حیاتِ جاودان شد

بیک جان دادن از صد دل رہِ دوست   بری شد از خودی با دوست پیوست

ہر آنکس را کہ سوزِ عشق دل سوخت   جوانمردی ازین زن باید آموخت

بقوّی بسنجی ہمت نوردان   تمام زن بہست از نیم مردان

چو طوفانِ محبت آتش افراخت   زنے جان در ہواے مردہ باخت

ترا نوعی ز مردی شرم بادا   وزین دون ہمتی آزرم بادا

کہ نتوانی قدم بر جان فشردن   ز شوقِ زندۂ جاوید مردن

دریغ این لافِ عشق و نامِ مردی   حرام این دعوی احرامِ مردی

لغاتِ جدیدہ

عربی زبان کے اخبارات، رسائل اور تصنیفات اور بول چال مین ہزارون نئے الفاظ پیدا ہو گئے ہین جن کے بغیر آج کل کی عربی زبان کا سمجھنا دشوار ہے، مصنف نے اس کتاب مین اس قسم کے چار ہزار جدید عربی الفاظ کا لغت لکھا ہے، قیمت: عہر

"منیجر"

اردو اخبارات کا ارتقاء

از

جناب سید ابو عاصم صاحب ایم اے ایل ایل بی علیگ

(۲)

دوسرا دور ۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۶ء

۱۸۵۶ء مین ڈلہوزی ہندوستان سے رخصت ہوا، اور کیننگ گورنر جنرل ہوا، لیکن ڈلہوزی ہندوستانیون کے مجبور اور مایوس دلون پر ایسا تیل چھڑک گیا تھا جو ایک معمولی سی چنگاری سے بھڑک اٹھا، ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ایک معاشرتی ردعمل تھا، اور اسی کو اسی روشنی مین سمجھنا چاہئے، اس مین نہ کسی غیر ملک کا ہاتھ تھا اور نہ یہ غریب بہادر شاہ کی سازش کا نتیجہ تھا، بلکہ ہندوستان کی معاشرت کی تباہی، افلاس اور اسکی عظمت کے خاتمہ نے ہندوستانیون کی حالت اس ستم رسیدہ بلی کی سی بنا دی تھی جو عاجز آکر شیر پر بھی حملہ کر بیٹھتی ہے، انگریزون کے حقارت آمیز برتاؤ نے انھین یہ محسوس کرنے پر مجبور کر دیا کہ یہ بدیسی ان کے کلچر کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہین، اس پر مستزاد یہ ہوگیا کہ اودھ کے نواب کو معزول کرکے کلکتہ بھیج دیا گیا، اور بہادر شاہ کا خطاب اور پنشن تک چھیننے کے مشورہ ہونے لگے، یہ صحیح ہے، کہ دلی اور اودھ کی بادشاہت چھین گئی تھی لیکن دلون پر اب بھی انہی کی حکومت تھی، بادشاہ تمدنی اور معاشرتی زندگی کا مرکز تھا، اور راجا اور پرجا مین ایک رشتہ تھا، ۱۸۵۰ء مین گورنر جنرل نے بادشاہ کے وکیل کو معمولی آدمی سمجھ کر ملنے سے انکار کر دیا،[۱]

اس سے عوام کے دلون پر کچھ کم دھکا نہین لگا ہوگا، پھر انگریزون کی بدعہدی خود غرضی اور بدنیتی نے ان کو بالکل بے نقاب کر دیا تھا، اور لوگ اُن سے متنفر ہوگئے تھے، دیسی اور بدیسی کشمکش کی یہ بڑی زبردست ٹکر تھی، جو بالکل فطری تھی، اور آخر مئی ۱۸۵۷ء کو دل کا غبار آتش فشان بنکر پھوٹ نکلا، اس طوفان نے جہان تمام نظام درہم برہم کر دیئے وہان صحافت کی دنیا بھی غارت کر دی اگر ایک طرف عوام بے دست و پا ہوگئے، تو دوسری طرف زبان بھی بند کر دی گئی، ۱۳ جون ۱۸۵۷ء مین وہ ایکٹ پاس ہوا جس نے صحافت کا گلا گھونٹ دیا، اور تمام پریس اور کتابون کی اشاعت پر پابندیان عائد کر دین،[۱] اس دار و گیر مین صحافت کا سانس لینا ناممکن تھا، اسی لئے قریب قریب سب اخبارات بند ہوگئے،

ملکہ کے پیغام امن اور سر سید اور دوسرے لیڈرون کی کوشش سے جب اطمینان نصیب ہوا تو اخبارون نے دوبارہ جنم لیا، اور ہر جگہ سے اخبارات نکلنے لگے، ۱۸۵۸ء مین مشہور اودھ اخبار نکلا جس نے دنیائے صحافت کو ایک نئی زندگی بخشی، منشی نولکشور جو پنجاب کے مشہور اخبار کوہ نور مین کام کر چکے تھے، وہی اس کے روح رواں تھے ۱۸۷۷ء مین یہ روزانہ ہوگیا، اور اب تک زندہ ہے یہ اپنے صوبہ کا سب سے پہلا روزانہ اخبار ہے، ایک زمانہ مین ادبی حیثیت سے اسکی خاص اہمیت تھی، رتن ناتھ سرشار کی معرکۃ الآرا تصنیف فسانۂ آزاد پہلے اسی کے چشمۂ فیض کے ذریعہ شائع ہوئی اسکی ایک بڑی خصوصیت ہمیشہ یہ رہی، کہ اس کے دامن سے پڑھے لکھے، اور قابل اصحاب وابستہ رہے، مثلاً مولوی غلام شیشؔ تلمیذ غالب، مولانا سید امجد علی اشہری، پنڈت رتن ناتھ سرشار، منشی نوبت رائے نظرؔ، مرزا حیرتؔ دہلوی، حضرت جالبؔ دہلوی، مرزا احمد عسکری، ماسٹر پیارے لال شاکر، دتاسی اپنے چودھوین خطبہ ۱۸۶۴ء مین اس اخبار کے متعلق لکھتا ہے، لکھنو کا اودھ اخبار

---

[۱] Press after mutiny Historical Journal ج ۲ رسالہ اردو ۱۹۳۸ء کیفی

ہفتہ وار چھوٹی تقطیع پر ۱۶ صفحون کا ہوتا ہے، اسکی ادارت شیو پرشاد کرتے ہین، وہ ہر موضوع پر لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہین، اس مین خبرون کے علاوہ ادبی مضامین بھی ہوتے ہین، بعض مضامین دیوناگری رسم خط مین ہین، اس کے مضمون نگارون مین ایک انگریز پامر بھی ہے، جس نے اردو مین اچھی صلاحیت پیدا کر لی ہے،" سولہوین خطبہ ۱۸۶۶ء مین اودھ اخبار پچھلے سال سے نہایت کامیابی سے نکل رہا ہے، اسکی ہر اشاعت پچھلی اشاعت سے بہتر نظر آتی ہے، شروع شروع مین اس مین صرف چار صفحے ہوا کرتے تھے، اور وہ بھی چھوٹی تقطیع پر، لیکن بعد مین چھ ہوئے، پھر سولہ اب اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہوتا ہے، پہلے کے مقابلہ مین اس کی تقطیع بھی بڑی ہوگئی ہے، میرے خیال مین اس سے زیادہ صحیح اخبار ہندوستان مین اور کوئی نہین، اس سے اندازہ ہوگا کہ اخبار بینی کا شوق ہندوستان مین کس قدر بڑھ رہا ہے، اخبار اب تعلیم یافتہ ہندوستانیون کی ضروریاتِ زندگی مین شامل ہوگیا ہے"

۱۸۶۶ء کے خطبہ مین مزید اظہار خیال کیا ہے "اردو کے سب اخبارون مین اودھ اخبار بہترین خیال کیا جاتا ہے ...... مضامین اعلیٰ پایہ کے ہین، جن کا مقابلہ ہمارے اخبارون کے مضامین سے کیا جا سکتا ہے" خبرون کا حصہ اتنا بہتر نہ تھا، وہ زیادہ تر انگریزی اخبارون کا شرمندۂ احسان تھا، مصنف تاریخ ادب اردو کا خیال ہے: "شروع مین جب منشی صاحب موصوف کے زمانہ مین یہ اخبار نکلتا تھا، تو یہ زیادہ تر ان خبرون کا مجموعہ ہوتا تھا جو انگریزی اخبارون کے تارون یا نوٹون سے ترجمہ کرکے چھاپی جاتی تھین، اسکی کوئی معینہ پالیسی بھی نہ تھی، سوائے اس کے کہ سیاسی شور و شر کے ہمیشہ یہ خلاف تھا، پہلے ہفتہ وار تھا، بعد مین روزانہ ہوگیا، اس کا اسٹاف اور ساز و سامان اعلیٰ قسم کا تھا۔

شمس الاخبار مدراس سے نکلتا تھا، یہ اودھ اخبار کا ہمعصر تھا، یہ کوئی مشہور اخبار نہ تھا، اسکی خصوصیت صرف یہ تھی، کہ یہ مسلمانون کا اخبار اور ان کا نقیب اور انہی کے لئے مخصوص تھا،[1] اس کے بعد لاہور

[1] خطبات گارسان دتاسی،

سے اخبار عام پنڈت مکند رام کی ادارت مین نکلا، یہ کافی مشہور اخبار تھا، اسکی خصوصیت یہ تھی، کہ خاص خاص خبرین چھاپتا تھا، اور بہت سستا تھا، اسکی زبان اخباری تھی جس مین کوئی ادبی لطافت نہ تھی، اس کی ارزانی نے اخبار بینی کا عام شوق پیدا کردیا تھا، پہلے یہ ہفتہ وار تھا، بعد مین سہ روزہ، پھر دو روزہ ہوگیا تھا، اس کے معاون ایک پنشن یافتہ سرکاری عہدہ دار تھے، کچھ دنون سرکار بھی اس کی سرپرست رہی، اور اس کی کاپی تمام اسکولون مین جاتی تھی، لیکن بعد مین یہ سرپرستی ختم ہوگئی اس کے اڈیٹر پنڈت مکند رام تجربہ کار شخص تھے، کوہ نور مین کام کرچکے تھے، ۱۸۶۵ء مین میرٹھ سے اخبار عالم محمد وجاہت کی ادارت مین نکلنے لگا، اسکی ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ تھی، کہ لوکل خبرین نظم مین شائع کرتا تھا، جیسے ؎

"سردی اب کی برس ہے اتنی شدید
کانپتا نکلے ہر سحر خورشید"

صوبہ پنجاب ۱۸۵۷ء کی شورش سے بے تعلق رہا، اس کی زندگی بدستور پُر امن رہی، اس لئے وہان کی ادبی اشاعت مین بھی خلل نہین پڑا، کوہ نور بدستور جاری رہا، پنجاب کی طرح یہ بھی انگریزون کا وفادار تھا، انکی فتح کی خبرین بڑی مسرت کے ساتھ لکھتا تھا،

سورت مین جہان سے اردو کا کوئی اخبار کبھی شائع نہین ہوا تھا، اور جہان قدیم طرز کے فارسی اخبار کے سوا اور کوئی اخبار نہ تھا، ہی ۱۸۶۰ء سے ایک اردو ہفتہ وار اخبار منظور الاخبار جاری ہوا، اس کے ایڈیٹر کا نام محمد منظور تھا، اس کے سرورق پر اخبار کی تعریف مین ایک شعر تھا، اور الحمد کی آیت سے اس کا افتتاح ہوتا تھا، اس کے بعد ہندوستان کے مختلف صوبون اور مشرقی ممالک کی خبرین ہوتی تھین، یورپ کے علوم و فنون پر تبصرہ بھی اس کا ایک خاص جزو تھا، اسکی زبان نہایت فصیح تھی، اکثر مضامین کا خاتمہ اشعار پر ہوتا تھا، اس مین کہاوتین، متفرق اشعار وغیرہ

غزلین وغیرہ بھی شائع ہوتی تھین، اکثر نمبرون کے ساتھ ان کے ضمیمے بھی رہتے تھے،

ایس ڈبلو فیلین، مدرسہ اجمیر کے نگران کار اور ضلع کے انسپکٹر مدارس تھے، انھون نے لیتھو کا ایک مطبع قائم، اور ایک اردو اخبار خیر خواہ خلق جاری کیا، اس علاقہ مین یہ اردو کا پہلا اخبار تھا، سوہن لال اور اجودھیا پرشاد اس کے اڈیٹر تھے، دونون کو اردو زبان پر پوری قدرت تھی، ان کی اردو تحریرون مین سادگی اور لطف بیان کے ساتھ ہندوستانی اور انگریزی کا ایک خوشگوار امتزاج ملتا ہے، غالباً یہ اخبار ۱۸۵۰ء سے پہلے جاری ہوا، دتاسی نے فروری ۱۸۵۱ء مین اس کا ذکر کیا ہے، اس مین ایک تو روزمرہ کی خبرین ہوتی تھین، اور اس کے علاوہ مختلف عنوانات پر مضامین بھی ہوتے تھے، اس کی آزادی اور بیباکی حکومت کی نگاہ مین برا کھٹکتی تھی، بغاوت کے بعد سے ہندوستان مین پریس کی آزادی سلب ہو چکی تھی، ایسی حالت مین اس کا پنپنا مشکل تھا، چنانچہ حکومت نے اس اخبار کی اشاعت ممنوع قرار دیدی،

حکیم جواہر لال نے جو متعدد کتابون کے مصنف اور مترجم تھے، "آئینہ" اخبار محب رعایا نکالا، سنہ اجرا معلوم نہ ہو سکا، لیکن دتاسی نے اپنے گیارہوین خطبہ دسمبر ۱۸۶۱ء مین اس کا ذکر کیا ہے، یہ پرجاہت اور پیپل فرینڈس (People Friends) کا ہندوستانی ایڈیشن تھا، اس کو صحیح معنون مین آگرہ کے گزٹ اخبار النواح کا قائم مقام سمجھنا چاہئے، وہ بھی حکیم صاحب ہی نکالتے تھے، دونون کا مقصد یہ تھا، کہ مضامین کے ذریعہ اخلاقی اصول پھیلائے اور عام کئے جائین، اور مختلف ملکون کی صحیح اور مستند خبرین درج کیجائین، بے بنیاد افواہین اور سنی سنائی باتون پر اعتماد نہ کیا جائے،

وکٹوریہ گزٹ ایک انگریز سہارنپور سے نکالتا تھا، اور اسکی زبان نہایت صاف اور دلکش ہوتی تھی، کلکتہ سے ۱۸۶۱ء مین جام جہان نما نکلا، اسی نام کا ایک اخبار میرٹھ سے نکلا تھا کلکتہ کا ٹائپ مین چھپتا تھا، اور میرٹھ کا لیتھو مین، اسی سال بمبئی سے کشف الاخبار

نکلا، مولانا مارہروی نے اس کا سن اجرا ۱۸۵۳ء لکھا ہے، معلوم نہین ان کا ماخذ کیا ہے، پنجاب گورنمنٹ کی ابتدائی تعلیم کی رپورٹ مین ایک اخبار کا ذکر ہے جو پنجاب کے علاقہ مین بہت مقبول تھا، ۱۸۶۲ء کی سکرٹری رپورٹ کے مطابق ۱۸۵۹ء تک صوبہ شمالی اور مغربی مین اردو کے تئیس اخبارات تھے، جن مین ہفتہ وار کثرت سے تھے، دتاسی نے لکھا ہے، "کلکتہ سے لیکر پشاور تک شمالی ہند کے کسی بڑے شہر مین چلے جائیے، ہر جگہ لیتھو پریس دکھائی دین گے"۔

دتاسی اپنے چودھوین خطبہ ۱۸۶۲ء مین ہندوستان کے اخبارات اور یہان کی اخبار بینی کے متعلق لکھتا ہے، ہندوستان مین اخبار بینی کا چسکا بڑھتا جا رہا ہے، ان اخبارات مین بالعموم خبرون کے علاوہ عام معلومات بڑھانے کے لئے مضامین بھی ہوتے ہین، کبھی کبھی ایجادات اور تہذیب و تمدن کی ترقی سے متعلق مضامین ہوتے ہین جنھین لوگ بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہین"۔

نجم الاخبار میرٹھ سے نکلتا تھا، اس کے متعلق دتاسی کا خیال ہے، کہ "یہ صوبہ کے شمالی و مغربی حصہ کا بہترین اخبار ہے"، ۲ر فروری ۱۸۶۴ء کے ٹائمز مین لکھا ہے، کہ "ہندوستان کے گوشے گوشے سے اخبارات نکل رہے ہین، ان مین سے بیشتر اخبارات کی ادارت کے فرائض اچھے طریقہ سے ادا کئے جاتے ہین، بعض اخبارات کے مضامین دیکھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ مضمون نگارون کی نظر وسیع ہے، اور وہ انگریزی ادبیات اور انگریزی فن صحافت سے واقفیت رکھتے ہین، حکومت ان اخبارون کی کوئی مدد نہین کرتی"۔

۱۸۶۵ء کے خطبہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ پنجاب، بمبئی، افغانستان اور سندھ مین اردو اخبارات جاری تھے، اسی سال اخبار عالم نیا جاری ہوا، اس کے خریدارون کی تعداد بہت زیادہ تھی، اسکی ۵۲۰ کاپیان چھپتی تھین، مرزا وجاہت علی اس کے مدیر تھے، اس مین سولہ صفحات اور ہر صفحہ مین دو کالم ہوتے تھے"، راجپوتانہ سے بھی ایک اخبار نیر راجستان نکلتا تھا، مدراس سے عمدۃ الاخبار

منظر الاخبار، صبحِ صادق، ریاض الاخبار نکلتے تھے، بنگلور سے قاسم الاخبار اور حیدرآباد سے مجمع البحرین نکلے[1]، اس فہرست سے ثابت ہوتا ہے، کہ اردو ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین اپنا گھر بنا چکی تھی، اور وہان سے اپنی آواز بلند کررہی تھی،

یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان مین انگریزی تعلیم پھیلتی جارہی تھی، ۱۸۶۴ء مین لکھنؤ مین کیننگ کالج قائم ہوا، اسی سال لاہور کا اورینٹل کالج وجود مین آیا، مدراس بمبئی اور کلکتہ کی یونیورسٹیان پہلے ہی قائم ہوچکی تھین، ان یونیورسٹیون کے طریقۂ امتحان نے سارے تعلیمی نظام مین ایک انقلاب پیدا کردیا[2]، تمام کالج ان کی نقل کرنے لگے، اور نئے کالج کھلنے لگے، یہ وہ وقت تھا، جب دیسی طرزِ معاشرت نے سپر ڈال دی تھی، اور مغربی تمدن اور خیالات فاتحانہ انداز سے ذہن ودماغ پر مسلط ہورہے تھے، انگریزی تعلیم ہی اس وقت حسن وقبح کا معیار سمجھی جانے لگی تھی تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ کے درمیان صاف طور سے ایک خلیج بن رہی تھی، اسی تعلیم اور سرکاری ملازمتون نے عہدیون کے پیرون کو چھڑادیا، اور غیر شعوری طور پر ہندو مسلمان الگ ہونے لگے، یہ انگریزی تعلیم ہی کا اثر تھا، کہ بہت سی معاشرتی اصلاحین سوچی جانے لگین، لڑکیون کی تعلیم شادی کے مصارف اور کم سنی کی شادی کی ممانعت عقد بیوگان کی ترویج اور سائنس کی نئی ایجادات ہمارے اخبارات کے موضوع بن گئے، اس ترقی کے ساتھ ہمارے اخبارون نے وائسرائے کی کونسل اور محل سے باہر نکل کر غریبون کی جھونپڑیون پر بھی نظر ڈالی، اور ان کی فلاح کی تدبیرین سوچنے لگے، اس دور کے آخر مین پریس اور ملک کی پریشانی دور ہونے لگی، اور اب وہ دبی زبان سے ملکی معاملات پر رائے زنی بھی کرنے لگے، وائسرائے اب امیر کبیر سے صرف وائسرائے رہ گئے، انگریزون کے لئے خالی صاحبان عالیشان باقی رہ گئے"[1]

[1] خطبات گارسان دتاسی [2] Cultural History of India (British-period) yousufali:

تیسرا دور ۱۸۶۶ء تا ۱۸۷۷ء

سرسید پہلے شخص تھے جنھون نے ۱۸۵۷ء کی پھڑکتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھا اور اسکی روح کو سمجھا، ان کا رسالہ "اسباب بغاوت ہند" گو مسلمانون کی محبت مین جادۂ اعتدال سے آگے بڑھ گیا، لیکن اس مین کوئی شک نہین کہ اس بغاوت کی اصلی وجہ مغرب ومشرق کی بیگانگی تھی، سرسید کو یقین ہوگیا تھا کہ اس نئی قوت کا مقابلہ ناممکن ہے، وہ انگریزی اور مغرب سے اس قدر مرعوب تھے کہ ہر چیز کو اسی کی روشنی مین دیکھتے تھے، دوسری طرف ان کو اسلام اور مسلمانون سے بھی بڑی محبت تھی، اس لئے مغرب کے مسلّمات کو قانونِ قدرت سمجھکر اپنے عقائد کو اسی کسوٹی پر پرکھتے اور جانچتے تھے، اور یہ ثابت کرنا چاہتے تھے، کہ اسلام یورپ کے معیار پر پورا اترتا ہے، ان خیالات نے مسلمانون کے اندر جدید مذہبیت اور معاشرت کی بنیاد ڈالی، اس راہ مین مولوی چراغ علی ان کے دستِ راست تھے، یہ فریب مدتون تک چھایا رہا، اس کے توڑنے مین شبلی اور اودھ پنچ کا بہت بڑا ہاتھ ہے، سرسید یورپ کے اتنے مداح تھے، کہ ساری قوم کو یورپ کے قالب مین ڈھالنا چاہتے تھے، مغرب کے فیوض وبرکات کو ہندوستان مین پھیلانے کے لئے اونھون نے "سائنٹفک سوسائٹی" قائم کی، اس کارخانہ سے یورپ کے علوم ڈھل ڈھل کر پھیلنے لگے، جو مفید کام اس انجمن نے کیا، وہ ہندوستان کی تاریخ مین یادگار رہے گا، اور اردو زبان وادب اس کے احسان سے کبھی سبکدوش نہ ہوگا،

۳۰ مارچ ۱۸۶۶ء سے انسٹیٹیوٹ گزٹ جاری ہوا، اس اخبار کے اجراء سے اردو صحافت نے تیسرے دور مین قدم رکھا، یہ وہ اخبار تھا، جس کو سرسید کی مرکزیت کی وجہ سے "کل ہند اخبار" کہا جاسکتا ہے، اس کا اسٹاف اور دوسری ظاہری ومعنوی خوبیان اس کو پچھلے دور سے ممتاز کرتی ہین، منشی چکن لال جیسا انگریزی اخبارات سے ترجمہ کرنے والا، اور مولوی فیض الحسن اور بابو گنگا پرشاد جیسا مترجم کتب اسکو حاصل تھے، شروع مین یہ ہفتہ وار تھا، پھر ہفتہ مین دوبار نکلنے لگا، اس کے ابتدائی اڈیٹر محمد اسمٰعیل تھے، کل اخبار ٹائپ مین تھا[1]، مضمون کا شمار انگریزی کے مطابق

[1] رسالہ اردو ۱۹۳۵ء (عبد الحق)

بائین طرف سے ہوتا تھا، اس کی پالیسی بھی متعین تھی، وہ سرکار کا اور رعایا کا دونون کا بہی خواہ تھا، رعایا کو نصیحت اور حکومت کی وفاداری کی تلقین اور حکومت سے رعایا کی دلجوئی کی التجا اور درخواست اس کی پالیسی تھی، اس کے سرورق پر یہ الفاظ تھے "آزادی چھاپے کی ہے، ایک بڑا فرض گورنمنٹ کا، اور ایک اصلی اور جبلی حق رعیت کا" اس اخبار کی تمام خوبیان سرسید ہی سے وابستہ تھین جیسے ہی ان کی توجہ اس سے ہٹی، اس کا انداز بھی بدل گیا، مولوی عبدالحق اس کی خوبیون کے ذکر کے بعد لکھتے ہین "یہ سب سچ ہے، لیکن اسی وقت تک کہ کالج اور دوسرے کامون کا ہجوم نہین ہوا تھا" آخر مین تو یہ "ماخوذ از پاینر" ہو کے رہ گیا، لیکن جب کوئی خاص مسئلہ یا اہم معاملہ آجاتا تھا، تو سرسید خود بڑے پُر زور مضامین لکھتے تھے، عام اخبارون پر سوسائٹی کا بہت اچھا اثر پڑا، اور وہ سیاسی معاشرتی اور تعلیمی مسائل پر سنجیدگی سے بحث کرنے لگے،

پنڈت کیفی نے اپنے مضمون مین اس دور کے بہت سے اخبارات کی لمبی فہرست دی ہے لیکن ان کے متعلق تفصیلی معلومات نہین ہین، جن سے اردو صحافت کے ارتقاء کا پتہ چلایا جاسکے، اس لئے وہ اہم نہین،

۱۸۶۷ء سے اردو ہندی کا جھگڑا شروع ہوا اس سے تمام اخبارون کو ایک موضوع ہاتھ آگیا، دونون طرف سے خوب خوب مضامین نکلتے تھے، یہ وہ وقت تھا جب اردو اخبارون کا بول بالا تھا، ہندی اخبار بہت کم تھے، سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ اردو کے خلاف جو کچھ لکھا جاتا وہ اسی زبان مین لکھا جاتا، اور مخالفین کی زیادہ تعداد اردو کے بہت اچھے لکھنے والون کی تھی، ہماری قومی زندگی مین پھوٹ اسی دن سے پڑی، یہ بھی یورپ کی تعلیم اور قومیت کے بھوت کا اثر تھا، ہندی اردو کے جھگڑے کی ابتدا یون ہوئی، کہ بنگال مین فارسی زبان کے بجائے دیسی زبان عدالت کی زبان تسلیم کر لی گئی، ان کی دیکھا دیکھی شمالی مغربی صوبہ کے ہندوؤن نے بھی

مطالبہ کیا، کہ یہان بھی عدالتون مین ہندی زبان مان لی جائے، اسکی حمایت مین بڑے بڑے مضامین لکھے گئے، جن کے متعلق دتاسی کی یہ رائے سننے کے قابل ہے، "ان کی مراد یہ ہے کہ بجائے مسلمانون کی زبان کے ہندوؤن کی زبان کو فروغ ہو" بابو سرور پرشاد نے دیوناگری رسم خط کی حمایت مین ایک مضمون لکھا تھا جس مین اردو رسم خط کے مقابلہ مین اسکی فضیلت ثابت کی تھی، دتاسی اس کے متعلق لکھتا ہے:

"واقعہ یہ ہے کہ خود اردو مین ایسے بیشمار الفاظ ہین جنھین دیوناگری رسم خط مین نہین لکھا جاسکتا" علی گڈھ کے اخبار نے دتاسی کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے لکھا کہ "اس تحریک کی بنیاد نسل اور مذہبی اختلاف پر ہے" مظفر پور (بہار) کے وارث علی نے بھی علیگڈھ اخبار مورخہ ۱۶ اپریل مین ایک پُر جوش مضمون سپرد قلم کیا تھا، اور یہ ثابت کیا کہ اردو ہی دراصل اہل ہند کی عام زبان ہے"

۱۸۶۸ء مین صوبہ بہار مین بھی ایک "سائنٹفک سوسائٹی" قائم ہوئی، اس کا صدر مقام مظفر پور تھا، اس کے معتمد ایک فاضل مسلمان تھے، کچھ دنون مین اوس کے ممبرون کی تعداد ۳۱۸ ہو گئی، جس مین ۱۲۸ مسلمان ۱۶۲ ہندو اور ۲۸ یورپین تھے انجمن کی طرف سے ایک اخبار بھی جاری ہوا جس کا نام اخبار الاخبار تھا، اس انجمن نے مغربی تعلیم کو پھیلانے مین بڑی مدد دی، اسکی تجویز تھی، کہ انجمن کی طرف سے مشرقی زبانون کی تعلیم کے لئے ایک کالج قائم کیا جائے، اور ساتھ ساتھ مغربی علوم کی اشاعت کا کام بھی انجام دیا جائے، مسلمان عوام کی اخلاقی و ذہنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے اور اسباق کے ذریعہ تعلیم پھیلائی جائے، مغربی تصانیف کے ترجمہ کرنے کا بھی خیال تھا، مسٹر فنر ایڈورڈ (Edward Fitz) جو ایک جید عالم تھے، اس کے حامیون مین تھے، انجمن کی طرف سے ایک رسالہ بھی شائع ہوتا تھا، اس کا ارادہ تھا کہ غربا کے لئے زراعت اور صنعت و حرفت کا ایک کالج بھی کھولا جائے، اس کے پانچ مدرسون مین بلا امتیاز مذہب و ملت سب شریک ہوتے اس انجمن کا حال علی گڈھ اخبار مین ہمیشہ چھپتا تھا،[۱]

---

[۱] خطبات گارسان دتاسی،

پٹنہ سے چشمۂ عالم نام ایک اخبار یکم جنوری ۱۸۶۹ء مین جاری ہوا، اس سے پہلے اس شہر مین کوئی اخبار نہ تھا، یہ مہینہ مین دو دفعہ نکلتا تھا، تقطیع چھوٹی تھی صفحہ مین دو کالم ہوتے تھے، دتاسی نے اپنے اُسی خطبہ ۱۸۶۹ء میں لکھا ہے، کہ "اس اخبار کا ایک مضمون مجھے پسند آیا، جس کا موضوع بنی نوع انسان کے اتحاد سے متعلق تھا"

ہمائے پنجاب ۱۸۷۰ء کی اپریل سے شروع ہوا، خبرون کے ساتھ ساتھ اردو ہندی کی کتابون پر تبصرے بھی ہوتے تھے، نامہ نگارون کے صرف وہ خطوط چھاپے جاتے تھے، جو اپنے اندر کچھ دلچسپی رکھتے تھے، میرٹھ کے اخبار کو اس کے نام اور انشا، پر اعتراض تھا، کیونکہ اس کی زبان پر انگریزی اثر بہت غالب تھا،

دلی سے ایک ہفتہ وار اخبار خیر المواعظ جاری ہوا، اسمین آٹھ صفحے ہوتے تھے، یہ اخبار اسلام کی حمایت و اشاعت اور مسیحیت کی تردید مین نکلا تھا، ایک مسیحی اخبار شمس الاخبار لکھنؤ سے نکلا، اس کے مضامین دلچسپ ہوتے تھے، اس کی غرض عیسائی مذہب کی اشاعت تھی،

ہندی کا ایک اخبار جگت سماچار جاری ہوا، یہ اصل میں اردو سے ہندی مین ترجمہ ہوتا تھا، اس کے متعلق دتاسی لکھتا ہے "چاہے کوئی کچھ کہے، لیکن یہ مسلم ہے، کہ اردو زبان دوسری زبانون کے مقابلہ مین زیادہ مستعمل ہے، اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے، کہ اس اخبار مین یہ بات بھی وضاحت سے بیان کر دی گئی ہے، کہ اس کی زبان عام فہم ہے، اگرچہ ناگری رسم خط مین ہے"

اس دور کی ایک خصوصیت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اکثر اردو اخبارون کے ہندی ایڈیشن اور ہندی اخبارون کے اردو ایڈیشن نکلا کرتے تھے، پنجاب سے اخبار انجمن پنجاب نکلا، اس کے متعلق دتاسی کا خیال ہے کہ یہ وہی اخبار ہے جو کبھی ہمائے پنجاب کے نام سے جاری ہوا تھا، کیونکہ اس اخبار کے سرورق پر ہما کی خیالی تصویر تھی، یہ اخبار پنجاب سے مختلف تھا، یہ انجمن پنجاب کا اخبار تھا،

جس کے صدر مسٹر سیبل گریفن اور معتمد بابو روبن چندر رائے تھے، انہی دونون کی نگرانی مین یہ اخبار شائع ہوتا تھا، حکومت بھی اسکی سرپرست تھی، اور اسکی دوسو کاپیان خریدتی تھی، اس اخبار مین تصویرین بھی ہوتی تھین جس نے اسکی قدر و قیمت بڑھادی تھی، یہ تصویرین عموماً تاریخی اشخاص اور تاریخی مقامات کی ہوتی تھین، مثلاً ایک مرتبہ نصیر الدین شاہ ایران اور بوشہر کے پل کے ایک منظر کی تصویر شائع ہوئی تھی، اس کے اڈیٹر نظام الدین تھے، الہ آباد سے ایک اخبار نور الابصار جاری ہوا، اس کے متعلق مسٹر کمسن کی رائے ہے، کہ یہ شمالی مغربی صوبہ کا بہترین اخبار تھا، میرٹھ سے اردو لارپورٹ مہینہ مین دو بار شائع ہوتا تھا، یہی گنج حکام کے نام سے ماہانہ بھی نکلا کرتا تھا، مسٹر ہالرائڈ ناظم تعلیمات پنجاب کی سرپرستی، اور منشی پیارے لال کی ادارت مین ایک اخبار اتالیق پنجاب سے نکلا اس مین تاریخ جغرافیہ اور سائنس پر نہایت مفید مضامین ہوتے تھے،

تہذیب الاخلاق ایک رسالہ تھا، اس کا ذکر بہت ضروری ہے، کیونکہ اس کا اثر زبان اور خیالات پر گہرا پڑا، اور اردو ادب اور صحافت دونون اپنی صلاحیت کے مطابق اس سے مستفید ہوئے، اس کا سب سے بڑا کارنامہ جدید تعلیم کی اشاعت ہے،

مذکورۂ بالا وہ مشہور و اہم اخبارات ہین جو اودھ پنچ کے قبل اردو صحافت مین ممتاز حیثیت کے مالک تھے، اور ملک کے دل و دماغ پر اتنا اثر رکھتے تھے، اس کے بعد ۱۸۷۷ء مین اودھ پنچ نے اردو مین ظریفانہ صحافت کا شگوفہ چھوڑا، جس پر ہم بعد مین تفصیل سے نظر ڈالین گے،

اس دور مین اردو صحافت کی حکومت ہندستان کے چپے چپے پر قائم ہو چکی تھی، اور ان کی سطح بھی پہلے سے بلند ہو گئی تھی، وہ ہندوستان کے باہر کی دنیا سے بھی واقفیت رکھتے تھے، دتاسی اور یورپ کے علم سے اکثر اخبارات واقف تھے، اسکی سالانہ تقریظین قدر کی نگاہون سے دیکھی اور ترجمہ کی جاتی تھین، ۱۸۶۸ء کے خطبہ کا ترجمہ اخبار الاخبار مظفر پور (بہار) اور اخبار انجمن پنجاب مین کیا گیا تھا،

اور دتاسی کی تصویر بھی دونون مین شائع ہوئی تھی وہ انجمن پنجاب کا اعزازی رکن بھی تھا، یہ تمام اخبارات ملکی معاملات مین گہری دلچسپی لیتے تھے، اردو ہندی کا جھگڑا بدستور جاری تھا، جس مین سب شریک تھے، ایک مین مسلمانون کی تعلیم کا خیال اہمیت حاصل کرتا جارہا تھا، اور ایک مشرقی جامعہ کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کیجارہی تھی، سرسید اس وقت کی تعلیم کے خلاف تھے، اور سید عبد اللہ ان کے ہمنوا تھے، سرسید نے موجودہ تعلیم کے خلاف "موجودہ تعلیم پر اعتراضات" کے نام سے ایک رسالہ بھی شائع کیا تھا، جس کا جواب بابو شیو پرشاد نے "اعتراضات پر اعتراضات" کے نام سے دیا، بابو شیو پرشاد اردو کی اچھی صلاحیت رکھتے تھے، ان کے اختلاف کی وہی نوعیت تھی، جو اردو ہندی کے مسئلہ مین عام ہندوؤن کی تھی، جس کا ثبوت ان کے ان الفاظ سے ملتا ہے، "کہ آٹھ صدی تک مسلمانون کی حکومت کے مظالم برداشت کر چکے ہین" "مظفر پور کی سائینٹفک سوسائٹی کے اخبار الاخبار" مین سید امداد علی نے ایک مضمون مین یہ ثابت کیا تھا، کہ روزمرہ کی زبان مین تعلیم دینے سے تعلیم مین سہولت ہوگی، اور ہندوستانیون کو دیسی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا،

اس وقت اردو اخبارات ترقی کی راہ پر تیز تیز قدم بڑھا رہے تھے، ان مین روزانہ کم اور ہفتہ وار زیادہ تھے، انھین کچھ آزادی بھی حاصل ہوگئی تھی، خصوصاً وہ اخبار جو سرکار کی سرپرستی مین رہتے، جب ضرورت سمجھتے تھے، تو انگریزی حکومت پر تنقید بھی کرتے تھے، اور پریس کی قوت ایک حقیقت ہوتی جاتی تھی"[۱] دتاسی اپنے ۱۸۶۲ء کے خطبہ مین لکھتا ہی، "ادبی کتابون کے بعد اخبارون کو خاص اہمیت حاصل ہے، جنھین دن بدن ترقی ہورہی ہے، وہ سیاسی، علمی، ادبی اخبار جن کی نسبت مین پہلے ذکر کر چکا ہون بدستور جاری ہین"۔

---

[۱] خطبات گارسان دتاسی،

تلخیص وتبصرہ

ہالینڈ مین استشراق

المستمع العربی لندن مئی اور جون ۱۹۴۲ء کے نمبرون مین پروفیسر وانڈنبرگ کے قلم سے "ہالینڈ مین استشراق" کے عنوان سے ایک مفید مقالہ نکلا ہے، اسکی تلخیص درج کیجاتی ہے،

آج یورپ کے قریب قریب تمام بڑے بڑے ملکون مین عربی اور مشرقی زبانون سے دلچسپی پیدا ہوگئی ہے، یونیورسٹیون مین عربی کی چیر قائم ہین، اور یہان کے مستشرقین کسی نہ کسی حیثیت سے عربی کی خدمت انجام دی ہے، لیکن اس کی ابتدا مغرب کے ایک چھوٹے خطہ یعنی ہالینڈ سے ہوئی، سب سے اول یہین کے علماء نے عربی ترکی اور فارسی زبانون خصوصاً عربی اور اس کے علوم کی طرف توجہ کی، اور اسکی بڑی گرانقدر خدمات انجام دین، ۱۵۷۵ء مین لیڈن یونیورسٹی قائم ہوئی، اور بہت جلد یورپ مین الٰہیات اور پروٹسٹنٹ مذہب کی تعلیم کا مرکز بن گئی، ۱۵۹۰ء مین پروفیسر اسکالیگر (Scaliger) فقہ اللغۃ کے چیر مین مقرر ہوئے،

اس زمانہ مین یورپ مین تجارت کا سب سے زیادہ مذاق اہل ہالینڈ مین تھا، اس سلسلہ مین انھین بحر متوسط کی ساحلی اسلامی حکومتون سے واسطہ پڑتا تھا، اس تجارتی کاروبار کے سلسلہ مین انھین عربی کے ترجمان اور اس کی تعلیم کی ضرورت محسوس ہوئی، انھون نے تجارتی مراسلت کے لئے پروفیسر اسکالیگر کی طرف رجوع کیا، یہ عربی زبان بہت واجبی جانتے تھے، اور یورپ مین اس زمانہ

مین عربی لغت اور قواعد کی کتابین ناپید تھین، اس لئے پروفیسر مذکور کو بڑی زحمت پیش آتی تھی، انھون نے اپنے ایک ہونہار اور لائق شاگرد اربینیس (Erpenius) کو عربی اور بعض دوسری مشرقی زبانون کے سیکھنے پر آمادہ کیا، اس نے پیرس جاکر ایک مصری سے عربی زبان اور وہان فارسی ترکی اور حبشی زبانین سیکھین، اور جامعہ لیڈن مین مشرقی زبانون کا استاد مقرر ہوا، چند دنون کے بعد اس نے مشرقی زبانون کی کتابون کی اشاعت کے لئے ایک چھوٹا سا مطبع قائم کیا، اور ۱۶۱۳ء مین عربی قواعد کی ایک کتاب شائع کی جو مدتون یورپ مین عربی تعلیم کا ذریعہ رہی، ۱۸۴۴ء مین فرانسیسی زبان مین اس کا ترجمہ ہوا، اربینیس کے ایک لائق شاگرد جولیس (Golius) نے بڑی محنت اور ذوق وشوق سے مشرقی زبانون کی تعلیم حاصل کی، دو مرتبہ مراکش اور ایشیا کوچک کا سفر کیا، اور یہان سات برس قیام کرکے عربی اور ترکی مین کمال حاصل کیا، اور واپسی مین جامعہ لیڈن کے لئے نادر مخطوطات کا تحفہ لے گیا، جولیس پورا طالب علم تھا، مشرقی زبانون کے علاوہ ریاضیات کا بھی استاد تھا، ساٹھ سال سے زیادہ کی عمر مین چینی زبان سیکھنے کی طرف توجہ کی، اس کو عربی فارسی اور ترکی سے بڑا شغف تھا، سب سے پہلے اسی نے عربی لاطینی لغت لکھا جو کئی صدیون تک یورپ مین مستشرقین کا مرجع رہا، پروفیسر فرئیٹاگ (Freytag) کے مشہور عربی لاطینی لغت کی تالیف کے بعد علماء نے ادھر توجہ کی، یہ لغت بالکل عربی لغات کے نمونے پر لکھا گیا تھا، لاطینی مین عربی لغات کی تشریح تھی، گو یہ کوئی بڑا جامع لغت نہ تھا، لیکن اپنے زمانہ کے اعتبار سے غنیمت تھا،

پروفیسر جولیس کی توجہ اور دلچسپی سے یورپ مین لیڈن یونیورسٹی مشرقی زبانون کی تعلیم کا مرکز بن گئی، اس کے نامور شاگرد وارنر (Levin Warner) نے قسطنطنیہ کا سفر کرکے عربی زبان سیکھی، اور ترکون کی معاشرت اور ان کے اوضاع واطوار کا مطالعہ کیا، انکی نادر

نے اسے وطن واپس ہونے کی مہلت نہ دی، لیکن اُس نے عربی فارسی اور ترکی کی بہت سی نادر قلمی کتابین جامعہ لیڈن کے لئے تحفۃً بھیجین، جنھون نے عطیۂ وارنر کے نام سے یورپ مین اتنی شہرت حاصل کی، کہ شائقین دور دور سے اُسے دیکھنے کے لئے لیڈن آتے تھے،

اس دور کے نامور مستشرقین مین ایک پروفیسر ایڈرین ریلینڈ (Adrian Reland) استاذ جامعہ اٹرشٹ (Utrecht) ہین، یہ ہالینڈ کے سب سے بڑے فاضل مستشرق تھے، فلسطین کا جغرافیہ اور اسلامی تعلیم گاہون پر ان کی تصانیف ان کے علمی کمال کا ثبوت ہین، ان کا نمایان اور ممتاز وصف ان کی بے تعصبی اور انصاف پسندی ہے، ان کے پیشرو مستشرقین سخت متعصب تھے، اور انکی تصانیف اسلام کے خلاف اندھے تعصب سے خالی نہ ہوتی تھین، جن کا مقصد اسلام اور اسکی تعلیمات کو سمجھنا نہین، بلکہ محض مسیحیت کی مدافعت اور اسلام پر اعتراض کرنا تھا، پروفیسر ریلینڈ کی روش اس سے بالکل مختلف تھی، ان کا مقصد انصاف اور بے تعصبی کے ساتھ اسلام کی تعلیم کا مطالعہ اور اس کو اصلی اور صحیح ماخذون سے لیکر اصلی شکل مین پیش کرنا تھا، وہ علانیہ کہتے تھے، کہ مین راسخ العقیدہ مسیحی ہون، لیکن میرا مذہب دوسرے مذاہب پر طعن وطنز کا سبب نہین بن سکتا، ان کا مقولہ تھا کہ ہم سب انسان ہین، جن سے غلطی کا ہوجانا بعید نہین، خصوصًا مذہبی معاملات مین ہم حدِ اعتدال سے بڑھ جاتے ہین، اور اپنے جذبات کے ماتحت فیصلہ کر دیتے ہین،

ریلینڈ کے عہد کے بعد لیڈن یونیورسٹی مین ایک ہی گھر کے تین افراد البرٹ شلٹنس (Albert Shultens) اسکا لڑکا جان جیمز (John James) اور اس کا پوتا ایکے بادیگرے شعبۂ عربی کے صدر مقرر ہوئے، اور ستر سال تک یہ عہدہ اس گھرانے مین رہا، ان مین جیمز اپنے عہد کا سب سے بڑا مستشرق تھا، اور البرٹ پہلا شخص ہے، جس نے عربی زبان کے ذریعہ عبرانی کو سمجھنے کی کوشش کی، گو اس کا یہ نظریہ غلط تھا، لیکن اسکی بنیاد صحیح تھی، اتنا مسلم ہے کہ توراۃ کی

اصل زبان عبرانی کے بہت سے الفاظ ایسے ہین جن کے صحیح معنی مرور زمانہ نے بھلا دیے ہین یہی وجہ ہے کہ توراۃ کے مختلف زبانون کے ترجمون مین ایک ہی عبرانی لفظ کے مختلف بلکہ متضاد ترجمے ہو گئے ہین، البرٹ کا نظریہ یہ تھا کہ قدیم عبرانی الفاظ کے معنی کو ان کے مقابل عربی الفاظ کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے، اس کے ثبوت مین اسکے پاس دلائل اور مثالین بھی تھین، لیکن یہ بڑا متعصب تھا، اس لئے عربی زبان کے مطالعہ مین اس نے کوئی اچھا اثر نہین چھوڑا، اوس کے بعد ہالینڈ مین استشراق کی رفتار سست پڑ گئی،

گذشتہ صدی کے اواخر مین پھر اسکی تجدید ہوئی، اور ایسی ہوئی کہ اس میدان میں اگلا قدم پچھلے دور سے بہت آگے بڑھ گیا، اور ایسے نامور اور صاحب کمال مستشرق پیدا ہوئے، جن کے کارنامون کے سامنے گذشتہ مستشرقین کے کارنامے ماند پڑ گئے، ان مین ڈوزی (Dozy) نے ڈی گیج (De goeje) اور اسنوک ہرگرونج (Snouck Hurgronje) زیادہ ممتاز ہین، ان کا کارنامہ یہ ہے، کہ انھون نے مشرقی علوم کے مطالعہ کو طعن و تعصب سے پاک کر کے خالص علمی مقصد بنا دیا، ان کے علمی کارنامون نے مشرقیات مین ہالینڈ کا علمی پایہ بہت اونچا کر دیا، بلکہ یہانتک کہا جا سکتا ہے کہ اس مین یورپ کا کوئی ملک ہالینڈ کی ہمسری نہین کر سکتا، ان علماء نے علم کی پیام رسانی کا پورا حق ادا کیا، اور آنے والی نسلون کے لئے ایک دائمی عظمت میراث مین چھوڑ گئے،

ڈوزی ۱۸۲۰ء مین پیدا ہوا، اور ۱۸۸۳ء مین وفات پائی، اس مین مختلف زبانون کے سیکھنے کی فطری صلاحیت تھی، ادب اور عہد وسطیٰ کی تاریخ سے اُسے خاص دلچسپی تھی، فنون لطیفہ سے بھی ذوق رکھتا تھا، اسکی خوش قسمتی سے اُس کو لیڈن یونیورسٹی مین ویرس (Weyers) جیسا کامل استاد مل گیا، جس نے اپنے تلامذہ کے لئے علمی تحقیق کا ایک قابل تقلید طریقہ ایجاد کیا،

اور ڈوزی کو عربی زبان کے مطالعہ مین الفاظ اور معنی کے ساتھ ان کے اشتقاق کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی ہدایت کی، اس طریقہ تحقیق کا نتیجہ وہ عربی اور فرانسیسی لغت ہے جو عربی زبان کا خزانہ تصور کیا جاتا ہے، ڈوزی نے اپنے علمی مساعی اور محنت کا نصف حصہ اس بے مثل لغت کی تالیف و تحقیق مین صرف کیا، اسکی اہم تاریخی تصانیف مین فرانسیسی زبان مین اسکی قابل قدر کتاب "اسپین مین مسلمانون کی تاریخ" ہے،

ڈی گیج ۱۸۳۶ء مین پیدا ہوا، اور ۱۹۰۹ء مین وفات پائی، یہ ڈوزی کے ارشد تلامذہ مین تھا، مہارت فن، غیر معمولی ذہانت اور جدت طرازی اس کا نمایان وصف ہے، آج عربی زبان کے طالب علمون کے لئے جو کتابین ناگزیر سمجھی جاتی ہین، ڈی گیج کے زمانہ مین ان کا نام و نشان نہ تھا، اور نہ مشرقی کتابین یورپ تک پہنچی تھین، جن سے تشنگان علم اپنی پیاس بجھاتے، عربی کتابون کے بیشتر قلمی اور نادر الوجود نسخے مشرق و مغرب کے کتب خانون کی ردی کے انبار مین گم تھے، ان گنجہائے گرانمایہ کو گوشہ گمنامی سے نکالنے مین ڈی گیج کی کوششون کو بڑا دخل ہے، اور یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ نصف صدی کے اندر یورپ مین جتنی نایاب کتابین شائع ہوئی ہین، ان مین سے اکثرون کی اشاعت مین کسی نہ کسی حیثیت سے ڈی گیج کی امداد ضرور شامل ہے، اس نے عربی تصنیفات کو بہترین تصحیح و ترتیب تحشیہ اور فہرستون کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا، اس کے بعد کے ان تمام مستشرقین نے جنھون نے عربی کتابین شائع کین، اس کے طریقہ کی تقلید کی اور اوس مین وہ سب اس کے احسان مند ہین، ڈی گیج نے سب سے اول یعقوبی کے جغرافیہ کا وہ حصہ جو مغرب (شمالی افریقہ اور اندلس وغیرہ) سے متعلق ہے شائع کیا،

اس کا سب سے بڑا کارنامہ جس نے اس کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا، ابو جعفر طبری کی مشہور تاریخ "تاریخ الامم والملوک" کی اشاعت ہے، ان خدمات کے ساتھ مختلف اسلامی موضوعون پر مقالات کا

سلسلہ بھی جاری رہا، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے نوین اور گیارہوین حصے مین متعدد مقالات اس کے قلم کے ہین، یہ عجیب بات ہے، کہ مشرقیات مین اس شغف و انہماک کے باوجود ان دونون فاضلون کو مشرق دیکھنے کا کبھی موقع نہ ملا، بلکہ جوئیس کے علاوہ اس دور کے کسی ہالینڈی مستشرق کو اسلامی دنیا سے تعلق پیدا کرنے کا اتفاق نہین ہوا،

اسنوک ہرگرونج بھی ڈوزی کا شاگرد رشید اور اپنے عہد کا صاحب کمال فاضل، مشہور عالم سیاح اور نامور سیاست دان تھا، اوس نے البتہ اسلامی ملکون کی سیاحت کی، اسکی پیدا کردہ روح سے یورپ مین اسلامیات کے مطالعہ کے ذوق کو بڑی ترقی ہوئی، وہ ۱۸۴۷ء مین پیدا ہوا، اور ۱۹۳۶ء مین وفات پائی، الٰہیات اور مشرقی زبانون کی تحصیل کے بعد جزیرۃ العرب کی سیاحت کی اور مکہ کے نام سے اس سیاحت کا سفرنامہ شائع کیا، ۱۸۸۹ء سے لیکر ۱۹۰۱ء تک جاوا مین جہان کہ مسلمانون کے امور کے متعلق حکومتِ ہالینڈ کا مشیر تھا، اسلامیات اور جاوا مین اسلام اور مسلمانون کے تعلقات پر مطالعہ اور تلاش و تحقیق مین مشغول رہا، ۱۹۰۶ء مین لیڈن یونیورسٹی مین شعبۂ عربی کا صدر مقرر ہوا، اوس کو مشرق خاص طور سے مسلمانون کے ساتھ بڑا تعلقِ خاطر تھا، برسوں اسلامی تعلیمات پر غور و فکر، مسلمانون کے ساتھ روابط و تعلقات اور اُن سے تبادلۂ خیالات کے بعد اس مغربی مقولہ کے برخلاف کہ مشرق مشرق ہے، اور مغرب مغرب اور یہ دونون کبھی نہین مل سکتے" اس کو یقین کامل تھا کہ اسلام اور جدید یورپ مین ربط و اتحاد ممکن ہے، اور یہ دور دونون مین الفت و محبت کے رشتہ کو مضبوط کرنے اور ایک دوسرے کو بہتر طریقہ سے سمجھنے کیلئے سب سے زیادہ موزون و مناسب ہے،

"م"

چینی مسلمان

ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانون کے مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حالات ہندوستانی زبان مین لکھے ہین، ضخامت ۲۴۴ صفحے، قیمت :- عہر

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

چینی حکومت اور وہان کے مسلمان

چینیون کے دل مین مدتون سے آرزو تھی کہ وہ دوسرے اسلامی ممالک سے خوشگوار تعلقات پیدا کرکے دوبارہ رشتۂ اخوت مین منسلک ہو جائین، چنانچہ حال ہی مین اسلامی چینی وفاق کے نمایندے عثمان وو نے شاہی مسجد لاہور مین بعد نماز جمعہ ایک تقریر کی، اور چین کے مسلمانون کی جانب سے ہندی مسلمانون کو ہدیۂ تہنیت پیش کیا، اور یہ بھی بتایا، کہ چین کے مسلمان دوسرے غیر مذہب والون سے بالکل شیر و شکر ہو کر رہتے ہین،

اس وفاق کے صدر جنرل عمر پایزنی Umar pai بین، تیرہ صدی کی مدت مین چین مین مسلمانون کی تعداد پانچ کروڑ تک پہونچ چکی ہے، چین مین ۴۰۰۰۰ مسجدین ہین، پندرہ سال ہوئے انھون نے کلام پاک کا چینی ترجمہ شروع کیا تھا، اب تک اس کے تین ایڈیشن نکل چکے ہین، حکومت چین نے چالیس مسلم طلبہ کو جامعہ ازہر مین تعلیم کے لئے مصر بھیجا تھا، جن مین سے پندرہ تعلیم ختم کرکے واپس آچکے ہین، بہت سے چینی طلبہ ترکی اور ایران بھی بھیجے گئے ہین، عنقریب کچھ لڑکے ہندوستان بھی آئین گے،

طیارون کی اصلاح و ترقی

موجودہ جنگ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فضائی جنگ ہے، اس لئے امریکہ، روس اور برطانیہ نے

سے زیادہ جہاز بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، لندن میں آئے دن ایسے ہوائی جہاز بن رہے ہیں جو بہت تیز رفتار اور جملہ سامانِ جنگ سے مسلح ہوتے ہیں، ان طیارون مین سب سے بڑی دقت یہ ہی کہ وہ بغیر زمین پر رینگے، فضا مین بلند نہیں ہو سکتے، اور مشین کی آواز بہت تیز ہوتی ہے، لیکن حال مین ایک جرمن نے ایسا ہوائی جہاز بنایا ہی، جس مین ایک بٹن لگا ہوا ہے جس کے دباتے ہی ہوائی جہاز پرندون کی طرح ایک جگہ اتر سکتا ہے، اور دوسرا بٹن دباتے ہی ہوا مین پرواز شروع کر دیتا ہے، لیکن اس مین ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اس کے بٹن اکثر خراب بھی ہو جاتے ہین، اس لئے اب تک جنگ مین استعمال نہ ہو سکا، امریکہ کا ایک سائنس دان بھی اس گر سے واقف ہو گیا ہے، امید ہے کہ وہ اس خرابی کی اصلاح مین کامیاب ہوگا، کیونکہ اس کے مقابلہ کا جرمنی مین کوئی سائنسدان نہیں،

جامعۂ استنبول

جمہوریۂ ترکیہ سے پہلے استنبول مین صرف مذہبی مدارس تھے، جن مین حدیث، فقہ، اور دوسرے دینی علوم کی تعلیم ہوتی تھی، لیکن اب وہان جدید طرز کی یونیورسٹی قائم ہو گئی ہے، امید ہی کہ اس کے ذریعہ اہلِ استنبول کافی ترقی کرین گے، اس کے نصاب مین طب، ادویہ سازی، قانون، سائنس، اقتصادیات اور ادب وغیرہ نئے فنون شامل ہین، یہ جامعہ شہر کے وسط بیاظت (Bezaz) کے قریب واقع ہے، اس سے ملا ہوا ایک باغ ہے جس کے سامنے حسین ترین مناظر ہین، طلبہ کی تعداد ۵۰۰ تک پہونچ چکی ہے، اس لئے اب عمارت کی توسیع ہونے والی ہے،

روس مین مسجدین

روس مین اس وقت ۱۳۱۲ مساجد ہین، ان کی بڑی تعداد بشکیریا (Bashkiria) کے

شہر یوفا (Ufa) مین ہے، وہان کے سب سے بڑے موجودہ امام عبد الرحمٰن ہین، ان کی مستقل سکونت یوفا ہی مین ہی، ان مساجد مین ۸۰۵۲ ملا، ۲۸۲ شیوخ اور ۵۲۰۸ موذن روسی حکومت کی طرف سے مقرر ہین، یہ مسجدین مختلف فرقون، سنی، شیعہ اور اسمٰعیلیون کی ہین،

قطب شمالی مین نشرگاہ

قطب شمالی وجنوبی مین سال بھر برف پڑتی رہتی ہے، جس طرف نگاہ اٹھتی ہے، برف ہی برف نظر آتی ہے، وہان اسکیمو کے سوا کوئی آبادی نہین، موجودہ جنگ مین پٹرول کمیاب ہو رہا ہے، اسلئے ہر ملک کی یہ خواہش ہی کہ وہ کم سے کم تیل مین اپنا کام چلائے، ماسکو سے امریکہ کا قریب ترین راستہ قطب شمالی ہو کر ہے، اس لئے اہلِ روس نے اس برف سے ڈھکے ہوے ملک مین نشرگاہ اور ہوائی اڈہ قائم کر کے دنیا کو محوِ حیرت کر دیا ہی،

فیتہ پر قرآن

ایک ایرانی سیاح جو حال ہی مین لکھنؤ آیا تھا، اس کے پاس ایک کلام مجید تھا، جو ساڑھے سات گز لمبے اور ڈھائی انچ چوڑے کپڑے پر لکھا ہوا تھا، خیال ہے کہ یہ نسخہ ۶۰۰ سال پہلے کا لکھا ہوا ہے، یہ فنِ خطاطی کا بہترین نمونہ اور غالبًا چھ سال سے کم مدت مین نہ لکھا گیا ہوگا،

ایک نیا نباتاتی تجربہ

امریکہ کے ایک سائنسدان پروفیسر آرتھر ہکلسن کا خیال ہی کہ اگر پانی مین تین چار بار ایک خاص کیمیاوی طریقہ سے برقی لہر دوڑائی جائے اور اس سے درخت سینچے جائین تو وہ زیادہ پھل دینگے اور پھول کی شادابی بڑھ جائے گی، علی گڈھ کے ایک طالب علم جنھون نے نباتات مین ایم اے کیا ہے، انھون نے ذاتی تجربہ کے بعد پروفیسر موصوف کے خیال کو صحیح پایا،

ادبیات

زمزمۂ عرفان

از پروفیسر سلیم فارانی ایم اے، ایم، او، ال، گورنمنٹ کالج ہشیارپور،

جذبِ دل معمار ہے تقدیر کی تعمیر کا — معجزہ دکھلا ذرہ ہنگامۂ تدبیر کا

انقلاب انگیز ہو نادان! اترا ہر اک نفس — محورِ اعظم تو ہی ہے عالمِ تقدیر کا

جو تجھے کہتے ہیں فانی، جانتے شاید نہیں — ایک پہلو اور بھی ہے اس تری تصویر کا

جان نثاری کھیل ہے مردِ مجاہد کے لئے — حوصلہ ہے پست اس کے روبرو شمشیر کا

ناشناسائی میں جب انساں کے ہیں عالم مطیع — کیجئے اندازہ پھر عرفان کی تاثیر کا

ذرہ ذرہ میں جہان اندر جہان پاتا ہوں میں — پھر بھی اسکی معرفت میں خوف ہے تقصیر کا

ہیبتِ جلوہ گری نے عقل پر ڈالے ہیں بند — حیرتِ نظارہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

کون کہہ سکتا ہے کیا ہو گر اٹھے اس سے نقاب — اس قدر چرچا ہے جس کے نور کی تنویر کا

میں نے فارانی طفولیت میں جو دیکھا تھا خواب
وقت آپہنچا ہے اب اس خواب کی تعبیر کا

غزل

از جناب امجد علی صاحب جج فیض آبادی

زبان پہ لائیے کیا شکوہ ہر کسی کے لئے — یہ دل بنا ہے ازل سے شکستگی کے لئے

اب اس خلوص کی تو مجھکو داد دو کہ نہ دے — زمانے بھر سے ہوں ناخوش تری خوشی کیلئے

کہاں میں اور کہاں یہ دیارِ بیگانہ — بہانہ چاہیئے کچھ مرگِ بیکسی کے لیئے

غضب ہی کھا گیا تو بھی شکستِ ظلمت سے — ضیا میں عرش سے لا شامِ زندگی کیلئے

اب اس ادائے تبسم سے تو دریغ نہ کر — تمام عمر میں رویا ہوں اس ہنسی کیلئے

نہیں کہ اُن میں "جمالِ کرم" نہیں یعنی — وہ مہرباں بھی ہیں لیکن کسی کسی کیلئے

عطا ہو، ذوقِ محبت کے ساتھ عمرِ ابد — یہ زندگی تو بہت کم ہے عاشقی کیلئے

نفس نفس میں بناتا ہوں اک جہانِ امید — یہ اہتمام ہے دو دن کی زندگی کیلئے

اسی جہانِ خس و خاک کو بنالے ارم — بہشت اُتر کے نہ آئی کبھی کسی کیلئے

وہ حُسن دلکش و رعنا سہی مگر امجد
نہ دوستی کے لئے ہے، نہ دشمنی کیلئے

تحذیر از مجالستِ جاہلاں

از جناب حکیم الشعرا سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی

قطعہ

جاہل انسان کے سایے میں نہ جاؤ — تم ابوجہل کو بھائی نہ بناؤ

وہ تو تم کو بھی تبہ کر دے گا — کوئلہ، جامہ سیہ کر دیگا

لوگ سمجھیں گے کہ تم جاہل ہو — کیونکہ جاہل کی طرف مائل ہو

دوست جاہل کا ہے جاہل کا مثیل — قیل الجنس الی الجنس یمیل

صحبتِ نیک سے جاہل فطرت — جاہلیت کو نہیں کھو سکتی

آگ ہی راکھ بنے تو بن جائے — راکھ تو آگ ہو نہیں سکتی

مطبوعات جدیدہ

حزب امام ولی اللہ دہلوی کی اجمالی تاریخ کا مقدمہ } از مولینا عبید اللہ صاحب سندھی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۱۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ،

پتہ اردو بک اسٹال لاہور،

مولانا عبید اللہ صاحب سندھی نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفہ، علوم اور ان کے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں کا بہت گہرا مطالعہ کیا ہے، اور اپنی ذہانت سے اس میں بہت سی لطائف و نکات پیدا کئے ہیں، اس موضوع پر وہ ایک مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یہ مختصر کتاب گویا اسکی تمہید ہے، اس میں مولانا نے شاہ ولی اللہ صاحب سے لیکر شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب تک اس سلسلہ کے تمام بزرگوں کو موجودہ اصطلاح میں ایک انقلابی اور ان کے تجدیدی و اصلاحی کارناموں کو ایک طے شدہ اور منظم سیاسی پروگرام کے تحت میں انقلابی تحریک کی شکل میں پیش کیا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ حضرت شاہ صاحب مجتہدانہ دماغ اور بلند فکر و نظر رکھتے تھے، اور ہندستان کے علما میں وہ پہلے بزرگ ہیں جن کی نظر ہندوستان میں اسلامی حکومت اور یہاں کے مسلمانوں کے زوال کے سیاسی اسباب تک پہنچی، اور ان کی کتابوں میں جابجا سیاسی اور اقتصادی مسائل بھی ملتے ہیں، اور ان کے بعد اس سلسلہ کے بزرگوں نے مسلمانوں کے مروجہ عقائد و اعمال کی اصلاح کے ساتھ سیاسی حیثیت سے بھی ان کی تجدید کی کوشش کی، لیکن اس کو ٹھیک ٹھیک مغرب کے موجودہ سیاسی افکار و خیالات اور بین الاقوامی انقلابی تحریکوں پر منطبق کرنا نہ صرف خلاف واقعہ بلکہ خود ان بزرگوں

کی توہین ہے، کتاب کا بڑا حصہ مصنف کے ذاتی مفروضات و قیاسات پر مشتمل ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں، اور اگر کہیں کوئی کمزور بنیاد مل بھی گئی ہے، تو مولانا کے تخیل نے اس پر پوری عمارت بنا کر کھڑی کر دی ہے، اس کتاب کا طرز استدلال ان یورپین مصنفین کی طرح ہے جو ایک لفظ سے پوری داستان تصنیف کر لیتے ہیں، مولانا کے تخیل میں جو کمی رہ گئی تھی، وہ ان کے متن کے شارح مولانا نور الحق نے پوری کر دی ہے، مولانا کو سیاست میں اتنا غلو ہے، کہ انھوں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاحی کارناموں اور اکبر جیسے ملحد کی گمراہیوں کو ایک ترازو میں رکھ دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں، "ہماری رائے میں جو کام اکبر نے شروع کیا تھا، وہ اساساً صحیح تھا، اور عملاً غلطیاں اس لئے ہوئیں، کہ اس عظیم الشان کام کو چلانے کے لئے اسے آدمی میسر نہیں آئے، ہمارا خیال ہے کہ وہ ضرورتیں خدائے تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ کے ذریعہ سے پوری کر دیں" یعنی جس گمراہی کا آغاز اکبر نے کیا تھا، گویا اسکی تکمیل شاہ ولی اللہ نے کی انا للہ و انا الیہ راجعون مصنف کا علم و نظر مسلم ہے، ان کے حسن نیت میں بھی شبہ نہیں، لیکن مغربی ملکوں خصوصاً سویٹ روس کے قیام کے اثر سے ان پر ایک خاص قسم کی سیاست اتنی چھا گئی ہے، کہ اس میں دینی مصالح گم ہو گئے ہیں تاہم چونکہ ایک ممتاز دماغ کے قلم کی تحریر ہے، اس لئے اس میں غور و فکر کے لائق بہت سے نکتے بھی مل جاتے ہیں، اور اسی حیثیت سے اسکو پڑھنا چاہئے،

غالب مؤلفہ جناب غلام رسول صاحب مہر تقطیع بڑی ضخامت ۴۰۳ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہوری دروازہ لاہور،

جناب غلام رسول صاحب مہر کی قابل قدر تالیف غالب کے پہلے ایڈیشن پر دسمبر ۳۶ئہ کے معارف میں مفصل ریویو ہو چکا ہے، اور وہ صاحب ذوق طبقہ میں اتنی شہرت اور مقبولیت حاصل کر چکی ہے، کہ اس کے لئے کسی مزید تعارف کی ضرورت نہیں، غالب پر اردو میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، یہ کتاب ان سب میں ممتاز درجہ رکھتی ہے، اس میں خود غالب کی تحریروں اور کلام سے ان کی مفصل سوانحمری

مرتب کی گئی ہے، یہ خصوصیت اس کے سوا اور کسی کتاب مین نہین، اس اعتبار سے اسکی حیثیت تزک کی ہوگئی، سات آٹھ سال کے بعد اس کا دوسرا اڈیشن نکلا ہے، اس مین لائق مؤلف نے بہت سے نئے اور مفید اضافے کئے ہین، اور کتاب کی ضخامت ایک سو صفحون سے زیادہ بڑھ گئی ہے، اصحاب ذوق کو ضرور اس کا مطالعہ کرنا چاہئے،

متاعِ اقبال از جناب ابو ظفر عبد الواحد صاحب ایم اے لکچرار سٹی کالج، حیدر آباد دکن، تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت عدر، پتہ :- مکتبہ ابراہیمیہ و مکتبہ امداد باہمی سٹی کالج، حیدر آباد دکن،

مولف نے اس کتاب مین اقبال کی شاعری کے بنیادی پہلوؤن کو اختصار کے ساتھ اس طرح پیش کیا ہی جس سے ان کی تعلیمات کے سمجھنے مین رہنمائی ہوتی ہے، کتاب مین تین مضامین ہین، پہلے مضمون مین جن پُر آشوب حالات مین اردو شاعری نے جنم لیا اور جس ماحول مین اقبال کی شاعری کا نشو و نما ہوا، اس کے جو اثرات اردو اور اقبال کی شاعری پر پڑے اوس کو دکھایا گیا ہے، دوسرے مین اقبال کی شاعری کے ابتدائی رنگ اور پھر عہد بعہد کے تغیرات اور اس کے اثرات و نتائج پر روشنی ڈالی گئی ہے، تیسرے مین اقبال کی بنیادی تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے، اس سے کلام اقبال کی شاعری کے مختلف دورون کے تغیرات اسکے طبعی اسباب، نتائج اور اسکی پوری تاریخ سامنے آجاتی ہے، اور اس پر جو اعتراضات کئے جاتے ہین، اس کا جواب بھی ملتا ہے، کلام اقبال پر جو مختصر کتابین لکھی گئی ہین، ان مین افادہ کے لحاظ سے یہ کتاب بہت اچھی ہی،

ہمارا ہندوستان، مترجمہ جناب مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب، تقطیع چھوٹی ضخامت ۰۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ :- ہمفری ملفرڈ پبلشر آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ٹبی کلکتہ مدراس،

ہندوستان قدرت کی فیاضیون سے مالا مال ہے، زمین کی زرخیزی، پیداوار، معدنیات، صنعت و حرفت کیلئے مواد خام کسی چیز کی کمی نہین، جو اجناس ساری دنیا مین پائی جاتی ہین وہ قریب قریب سب کی سب تنہا ہندوستان مین موجود ہین، لیکن اجنبی حکومت کی بے توجہی اور ہندوستان کی عام جہالت و افلاس کی وجہ سے اس بے گران دولت سے ہندوستان کو بہت کم فائدہ پہنچا، اس کے مقابلہ مین دو ملک جو پیداوار کے لحاظ سے ہندوستان کے مقابلہ مین کوئی حیثیت نہین رکھتے، محض اپنے ذرائع کی وجہ سے اپنی کم دولت سے ہندوستان سے کہین زیادہ فائدہ اٹھاتے ہین، مسٹر مینو مسانی نے اس موضوع پر انگریزی مین یہ مفید اور پر از معلومات کتاب لکھی تھی جس مین ہندوستان کی طبعی دولت اور دوسرے ملکون کی دولت کا موازنہ کرکے ان کے مقابلہ مین اپنی دولت سے ہندوستان کی محرومی، اسکے اسباب اور اس سے فائدہ اٹھانے کی صورتین بتائی گئی ہین، کاشتکارون اور مزدورون کی اصلاح اور ان کی ترقی کے وسائل کو خاص طور سے پیش نظر رکھا گیا ہے، اس سلسلہ مین ہندوستان کی موجودہ صنعتی اور اقتصادی حالت اور آیندہ ترقی کے متعلق بھی بہت سی مفید باتین آگئی ہین، کتاب بہت مفید ہے، لائق مترجم نے ترجمہ ایسا کیا ہی کہ کتاب ترجمہ نہین بلکہ تصنیف معلوم ہوتی ہے،

فاسزم مترجمہ کامریڈ باری، تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۸ر، پتہ :- مکتبہ اردو، لاہور،

یہ مختصر رسالہ ایک برطانوی اہلِ قلم پروفیسر ہیرلڈ لاسکی کی تصنیف ہے، اس مین انھون نے دکھایا ہی، کہ ہٹلر کا مقصد ابتدا سے یورپ بلکہ دنیا پر وحشیانہ تسلط و اقتدار تھا، لیکن شروع مین اس نے فاسزم کے چہرہ پر ایسا پردہ ڈالے رکھا اور اس کا طرزِ عمل کچھ ایسا مبہم تھا، کہ یورپ کی جمہوری حکومتون، سرمایہ دارون، اشتراکیون، مختلف سیاسی طبقون نے اپنا حامی سمجھکر اس کی بے عنوانیون سے صرف چشم پوشی، بلکہ اسکی حمایت کی، اور ہٹلر نے جرمنی کے جنگ کے بعد کے پیدا شدہ حالات سے فائدہ اٹھاکر

اور جرمن قوم کو شاندار مستقبل کا یقین دلا کر اپنا اقتدار قائم کر لیا، اور ملک کو فوجی بنانے کے بعد کھل کر
میدان میں آگیا، اس وقت سب کی آنکھیں کھلیں، لیکن اب ہٹلر کی قوت اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ اسکا
مقابلہ آسان نہ تھا، اس نازک وقت میں صرف برطانیہ دنیا کی آزادی اور موجودہ تہذیب کو اس وحشت و
بربریت سے بچا سکتی ہے، لیکن اس کو صرف زبان سے نہیں، بلکہ اپنے محکوم ملکوں کے ساتھ عملاً آزادی
نوازی کا ثبوت دینا چاہئے، یہ کتاب غالباً روس پر جرمنی کے حملہ سے پہلے لکھی گئی ہے، اب ان حالات
میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی ہے،

واردات از پنڈت ونا تریہ کیفی دہلوی تقطیع بڑی ضخامت ۵۱۲ صفحے، کاغذ کتابت و
طباعت بہتر، قیمت مجلد ؏، میسرز رام لال سوری اینڈ سنز انارکلی لاہور،

مذکورۂ بالا کتاب پنڈت ونا تریہ کیفی دہلوی کے کلام کا مجموعہ ہے، اردو شاعری اور اردو زبان میں
پنڈت جی کا پایہ مسلم ہے، ان کی مشق سخن پر نصف صدی سے زیادہ گذر چکی ہے، جس کی مثالیں شعراء میں کم نکلیں گی، پنڈت
جی ان شعرا میں ہیں جنھوں نے قدامت کے باوجود اردو شاعری کی تنگ دامانی کا احساس کیا اور اسکو تغزل کے
قدیم تنگ کوچہ سے نکال کر ایک وسیع شاہراہ پر لانے کی کوشش کی جس کا ثبوت ان کا یہ کلیات ہے، چنانچہ اس ضخیم مجموعہ
میں مختلف کیفیات، واردات، واقعات، خیالات اور سیاسی، قومی، ادبی اور دوسرے مختلف موضوعوں پر ڈیڑھ سو نظمیں ہیں، ان
میں غزلوں کا حصہ بہت کم ہے، مصنف کا رجحان واقعات و حقائق کی جانب زیادہ ہے، چنانچہ غزلوں میں بھی عموماً تخیل اور تغزل کی
رنگینیوں کی بجائے واقعیت زیادہ نمایاں ہے، اسلئے اس مجموعہ میں تغزل سے ذوق رکھنے والوں کی دلچسپی کا سامان بہت کم ہے، لیکن
اور اصناف سخن کے نمونے بکثرت ہیں اور ابتدائی مشق سے لیکر اب تک کا کلام شامل ہے، اسمیں ہمواری اور یکسانیت کا ہونا دشوار ہے،
اسلئے کہنہ مشقی کیساتھ نومشقی کے نمونے بھی موجود ہیں، بعض بعض نظمیں پنڈت جی کی استادی کا کامل نمونہ ہیں، کلام کی ترتیب زمانے کے اعتبار
سے کیگئی ہے اس سے شاعری کے تدریجی ارتقاء اور تغیرات کا اندازہ ہو جاتا ہے، پنڈت جی ان باقیات میں ہیں جن سے ہندو
مسلمانوں کی قدیم یکجہتی اور مشترکہ تہذیب کی یاد تازہ ہے، جس کی جھلک ان کے کلام میں بھی جا بجا نظر آتی ہے، "م"

جلد ۵۰ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۲ء عدد ۶

مضامین